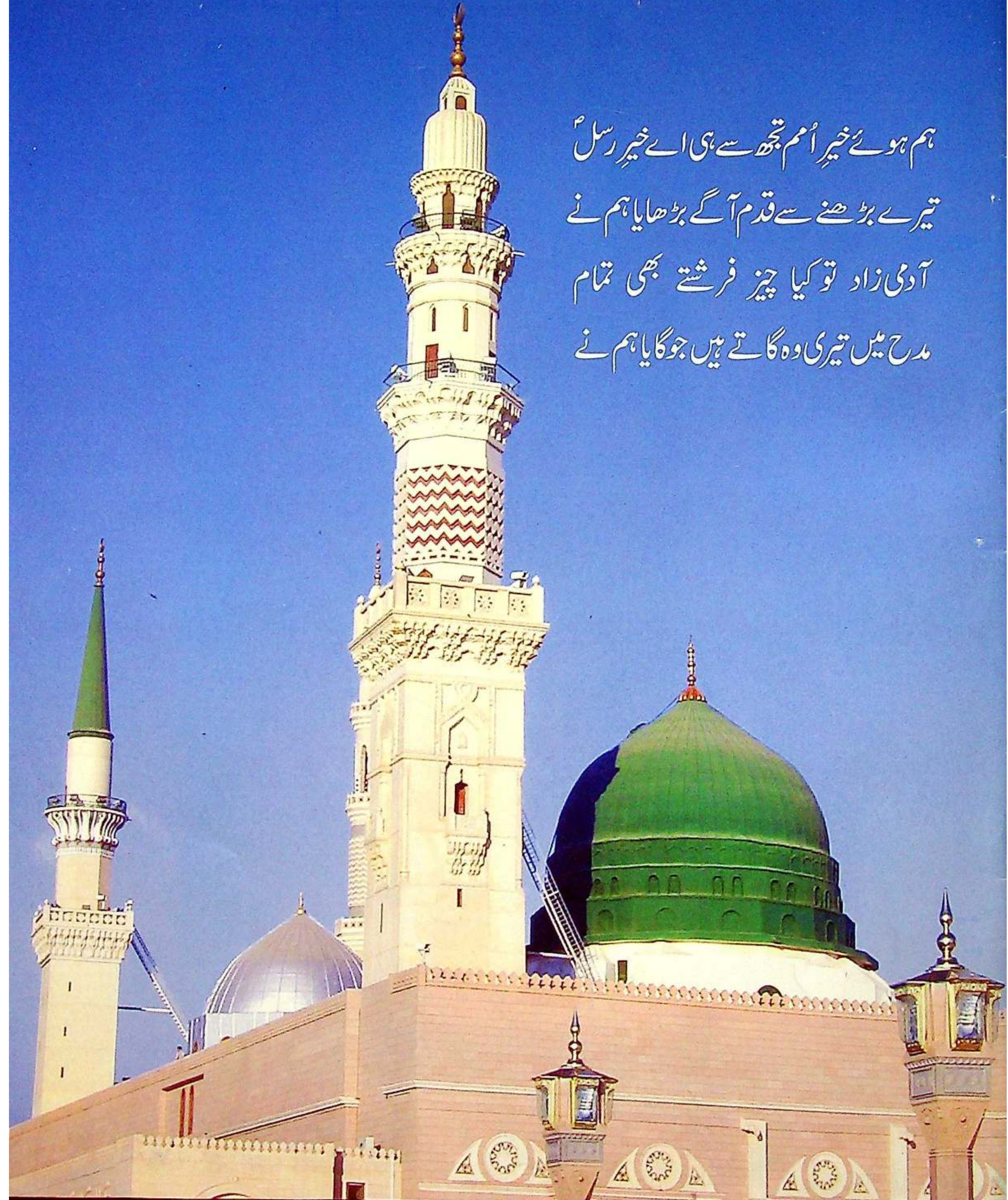
مجلس انصار اللہ یو.کے. کا علمی تعلیمی و تربیتی مجلہ

انصار الدین

صلح-تبلیغ 1388 جلد 6 ، نمبر 1

جنوری-فروری 2009



ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رسلؐ
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

Hudhur's (aba) visit to Scotland for a civic reception at city chambers as an honoured guest of Lord Provost, Cllr Robert Winter

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصارالدین

جلد ۶ نمبر ۱

جنوری/فروری ۲۰۰۹ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔

(انشاء اللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

صدر مجلس انصاراللہ برطانیہ

ولید احمد

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر شمیم احمد

مدیر (اردو)

شیخ لطیف احمد

نائب

حبیب الرحمٰن غوری

مدیر (انگریزی): **احد بھنو**

مینیجر: **محمد اسحٰق ناصر**

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF e-mail address: ansaruddin_uk@yahoo.co.uk

اداریہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علم القرآن

صداقت کا ایک روشن نشان

اسلام کی ایک ایسی خصوصیت جو دوسرے کسی مذہب میں پائی نہیں جاتی یعنی اُس کی الہامی کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (سورۃ الحجر آیت 10) یعنی اس ذکر (قرآن) کو ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

اس آیت میں لفظی اور معنوی حفاظت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ معنوی حفاظت کا مطلب ہے کہ جب لوگ قرآنی ہدایت سے دور ہو جائیں گے اور دلوں سے اس کا اثر اٹھ جائے گا تو اللہ تعالیٰ پھر ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ قرآن کے معانی کو از سر نو تازہ زندگی بخشی جائے۔ وہ حالات جن سے قرآن کے علوم کو نئی زندگی بخشی جائے گی، ان کے متعلق احادیث میں واضح ارشادات ملتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پیدا کرتا رہے گا جو قرآن کے علوم کو دنیا میں پھیلاتے رہیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے لوگ ہمیشہ ہی دنیا میں پیدا ہوتے رہے ہیں مگر ہر صدی کے سر پر مجدد دین کی آمد کا سلسلہ بھی اس آیت کی سچائی پر گواہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ضرور ایسے آدمی کھڑے کرتا رہے گا جو اُس کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے'' (ابوداؤد کتاب الفتح)۔ اسی طرح صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے کہ ''اگر ایمان ثریا تک بھی اٹھ گیا تو اہلِ فارس میں سے ایک فرد اسے واپس لے آئے گا''۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں ظاہر ہوگا جب علمِ قرآن دنیا سے اٹھ جائے گا اور جہالت چھا جائے گی۔ اس وقت زمانہ اس بات کا متقاضی ہوگا کہ کوئی خدا کی طرف سے دنیا میں ظہور پذیر ہو اور اس کے دین کو از سرِ نو زندہ کرے۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے پیش گوئیوں کے مطابق روحانی گراوٹ کے ایسے ہی وقت میں اپنا دعویٰ پیش کیا اور فرمایا:

''اس مقام کو غور سے دیکھو اور جلدی سے نکل نہ جاؤ۔ اور خدا سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے سینوں کو کھول دے۔ آپ لوگ تھوڑے سے تامل کے ساتھ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ حدیثوں میں یہ وارد ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن زمین سے اٹھا لیا جائے گا اور علمِ قرآن مفقود ہو جائے گا اور جہل پھیل جائے گا اور ایمانی ذوق اور حلاوت دلوں سے دُور ہو جائے گی۔ پھر ان حدیثوں میں یہ حدیث بھی ہے کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی جا ٹھہرے گا یعنی زمین پر اس کا نام ونشان نہیں رہے گا تو ایک آدمی فارسیوں میں سے اپنا ہاتھ پھیلائے گا اور وہیں ثریا کے پاس سے اس کو لے لے گا۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب جہل اور بے ایمانی اور ضلالت، جو دوسری حدیثوں میں دخان کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے، دنیا میں پھیل جائے گی اور زمین میں حقیقی ایمانداری ایسی کم ہو جائے گی کہ گویا وہ آسمان پر اٹھ گئی ہوگی اور قرآن کریم ایسا متروک ہو جائے گا کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا ہوگا۔ تب ضرور ہے کہ فارس کی اصل سے ایک شخص پیدا ہو اور ایمان کو ثریا سے لے کر پھر زمین پر نازل ہو۔ سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابنِ مریم یہی ہے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 456-455)

پس آنے والے موعود کے لئے، اُس کی سچائی کی دلیل کے طور پر یہ لازمی تھا کہ اُسے قرآنی علوم کا ایک پُر معارف خزانہ عطا کیا جاتا تا کہ وہ قرآن کے حقائق کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اپنی قوتِ قدسی سے دین کو پھر سے ایک تازگی اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں تمکنت بخشتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے روحانی خزائن اس بات کے گواہ ہیں کہ جو قرآنی حقائق و معارف ان میں بیان کئے گئے ہیں وہ فوق العادت ہیں اور ان کا منبع خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ چنانچہ یہ آپؑ کی سچائی پر ایک روشن نشان کا درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ خود فرماتے ہیں:- ''مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق اور معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے اور اگر کوئی مولوی مخالف میرے مقابل پر آتا جیسا کہ میں نے قرآنی تفسیر کے لئے بار بار ان کو بلایا تو خدا اس کو ذلیل اور شرمندہ کرتا۔ سو جو فہم قرآن مجھ کو عطا کیا گیا یہ اللہ جل شانہٗ کا ایک نشان ہے۔ میں خدا کے فضل سے یقین رکھتا ہوں کہ عنقریب دنیا دیکھے گی کہ میں اس بیان میں سچا ہوں۔'' (سراجِ منیر صفحہ 41)

درس القرآن

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ . اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ . وَاتَّقُوا اللّٰهَ . اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾

(سورۃ الحجرات آیت 13)

''ہمارے معاشرے میں بعض برائیاں ایسی ہیں جو بظاہر بہت چھوٹی نظر آتی ہیں لیکن ان کے اثرات پورے معاشرے پر ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور ایک فساد برپا ہوا ہوتا ہے۔ انہی برائیوں میں سے بعض کا یہاں اس آیت میں ذکر ہے۔ ترجمہ ہے اس کا کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ظن سے بکثرت اجتناب کیا کرو۔ یقیناً بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔ اور تجسس نہ کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اس سے سخت کراہت کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس میں تین باتوں کا ذکر ہے لیکن اصل میں تو پہلی دو باتوں کی ہی مناہی کی گئی ہے۔ تیسری برائی یعنی غیبت میں ہی دونوں آ جاتی ہیں۔ کیونکہ ظن ہوتا ہے تو تجسس ہوتا ہے اس کے بعد غیبت ہوتی ہے۔ تو اس آیت میں یہ فرمایا کہ غیبت جو ہے یہ مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔ اب دیکھیں ظالم سے ظالم شخص بھی، سخت دل سے سخت دل شخص بھی، کبھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس تصور سے ہی ابکائی آنے لگتی ہے، طبیعت متلانے لگتی ہے۔

ایک حدیث ہے ''قیس روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے چند رفقاء کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ آپ کا ایک مردہ خچر کے پاس سے گزر ہوا جس کا پیٹ پھول چکا تھا''۔ مرے ہونے کی وجہ سے پیٹ پھول جاتا ہے، کافی دیر سے پڑا تھا۔ ''آپ نے کہا بخدا تم میں سے اگر کوئی یہ مردار پیٹ بھر کر کھا لے تو یہ بہتر ہے کہ وہ کسی مسلمان کا گوشت کھائے (یعنی غیبت کرے یا چغلی کرے)۔

(الادب المفرد للبخاری ۔باب الغیبة وقول الله تعالیٰ:ولا یغتب بعضکم بعضا)

تو بعض نازک طبائع ہوتی ہیں۔ اس طرح مرے ہوئے جانور کو، جس کا پیٹ پھول چکا ہو، اس میں سے سخت بدبو آ رہی ہو، تعفن پیدا ہو رہا ہو، اس کو بعض طبیعتیں دیکھ بھی نہیں سکتیں، کجا یہ کہ اس کا گوشت کھایا جائے۔ لیکن ایسی ہی بظاہر حساس طبیعتیں جو مردہ جانور کو تو نہیں دیکھ سکتیں، اس کی بدبو بھی برداشت نہیں کر سکتیں، قریب سے گزر بھی نہیں سکتیں، لیکن مجلسوں میں بیٹھ کر غیبت اور چغلیاں اس طرح کر رہے ہوتے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ تو یہ بڑے خوف کا مقام ہے، ہر ایک کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے۔ اب یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے، کہ فرمایا اگر اس قسم کی باتیں پہلے کر بھی چکے ہو، تو استغفار کرو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اپنے رویے درست کرو، مَیں یقیناً بہت رحم کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ مجھ سے بخشش مانگو تو مَیں رحم کرتے ہوئے تمہاری طرف متوجہ ہوں گا۔ بعض لوگ غیبت اور چغلی کی گہرائی کا علم نہیں رکھتے۔ ان کو سمجھ نہیں آتی کہ کیا بات چغلی ہے، غیبت ہے۔ بعض اوقات سمجھ نہیں رہے ہوتے کہ یہ چغلی بھی ہے کہ نہیں۔ بعض دفعہ بعض باتوں کو مذاق سمجھا جا رہا ہوتا ہے لیکن وہ چغلی اور غیبت کے زمرے میں آتی ہیں اس لئے اس کو مَیں تھوڑی سی مزید وضاحت سے کھولتا ہوں۔ علامہ آلوسی ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دوسرے افراد سے ایسی بات نہ کرے جو وہ اپنے بارہ میں اپنی غیر موجودگی میں کئے جانے کو ناپسند کرتا ہے .... اور جو چیز وہ ناپسند کرے اس سے مراد عمومی طور پر یہ ہوگی کہ وہ باتیں اس کے دین کے بارہ میں، یا اس کی دنیا کے بارہ میں کی جائیں، اس کی دنیاوی حالت کے بارہ میں کی جائیں، اس کے مال یعنی امیری غریبی کے بارہ میں کی جائیں۔ یا اس کی شکل وصورت کے بارہ میں کی جائیں، یا اس کے اخلاق کے بارہ میں کی جائیں، یا اس کی اولاد کے بارہ میں کی جائیں، یا اس کی بیوی کے بارہ میں کی جائیں، یا اس کے غلاموں اور خادموں کے بارہ میں کی جائیں، یا اس کے لباس کے بارہ میں اور اس کے متعلقات کے بارہ میں ہوں''۔ (روح المعانی)

تو یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی کے پیچھے کی جائیں تو وہ ناپسند کرتا ہے۔ اب دیکھ لیں کہ اکثر ایسی مجلسوں کا محور یہی باتیں ہوتی ہیں، دوسرے کے بارہ میں تو کر رہے ہوتے ہیں لیکن اگر اپنے بارہ میں کی جائیں تو ناپسند کرتے ہیں اور پھر جب باتیں ہو رہی ہوتی ہیں تو ایسے بے لاگ تبصرے ہو رہے ہوتے ہیں جیسا کہ مَیں نے کہا کہ اگر ان کے اپنے بارہ میں یہ پتہ لگ جائے کہ فلاں فلاں مجلس میں ان کے بارہ میں بھی ایسی باتیں ہوئی ہیں تو بُرا لگتا ہے، برداشت نہیں کر سکتے، فوراً مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جو باتیں وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے، اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کریں۔ جن باتوں کا ذکر اپنے لئے مناسب نہیں سمجھتے کہ مجلسوں میں ہوں، اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کریں کہ اس کا ذکر بھی اس طرح مجلسوں میں نہ ہو''۔

(خطبہ جمعہ 26.12.04 فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

درس حدیث

مَا مِنْ شَیءٍ فِی الْمِیزَانِ اَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ

(ابو داؤد)

ترجمہ:۔ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ خدا کے تول میں کوئی چیز اچھے اخلاق سے زیادہ وزن نہیں رکھتی۔

تشریح:۔ اعلیٰ اخلاق دین کا آدھا حصہ ہوتا ہے اور اسلام نے اچھے اخلاق پر انتہائی زور دیا ہے۔ دراصل اعلیٰ اخلاق ہر نیکی کی بنیاد ہے، حتیٰ کہ روحانیت بھی درحقیقت اخلاق ہی کا ترقی یافتہ مقام ہے۔اس لئے اس بارے میں بے شمار احادیث بیان ہوئی ہیں۔

اسلام نے اعلیٰ اخلاق کے اظہار کیلئے کسی حقدار کے حق کو نظر انداز نہیں کیا۔خدا سے لیکر بندوں تک اور پھر بندوں میں بادشاہ سے لیکر ادنیٰ خادم تک ہر ایک کے بارے میں حُسنِ خلق کی تاکید فرمائی ہے۔افسر ماتحت، باپ بیٹے، خاوند بیوی، بہن بھائی، ہمسایہ، اجنبی، دوست دشمن، انسان اور حیوان غرض ہر ایک کے حقوق مقرر فرما دیئے ہیں۔اور پھر ان حقوق کو بہترین صورت میں ادا کرنے کی ہدایت دی ہے۔اور کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی نظر انداز نہیں کیا، حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے ملنے والوں کو مسکراتے ہوئے چہرہ سے مل کر ان کے دل کو خوش کرو تو یہ بھی تمہارا ایک نیک خلق ہوگا اور تمہیں خدا کے حضور ثواب کا مستحق بنائے گا۔ایک دوسری حدیث ہے کہ جو شخص بندوں کا شکر گزار نہیں بنتا، وہ خدا کا بھی شکر گزار نہیں بن سکتا۔ایک دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں کہ رستہ چلتے ہوئے اگر کوئی کانٹے دار چیز یا پاؤں کو پھسلانے والا چھلکا، ٹھوکر لگانے والا پتھر یا بدبو پیدا کرنے والی گندی چیز وغیرہ نظر آئے تو اسے رستہ سے ہٹا دو تا کہ تمہارا کوئی بھائی اس کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بھی اجر دیا جائے گا۔

خود آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی سوالی کو رد نہیں کیا، کبھی کسی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اسے چھوڑنے میں پہل نہیں کی، یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا، بیواؤں کی دستگیری فرمائی، ہمسایوں کو اپنے حسنِ سلوک سے گرویدہ کیا، چھوٹے سے چھوٹے صحابی کی بیماری کا سنا تو اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس سے شفقت اور محبت سے کلام کر کے اس کی ہمت بڑھائی۔اسلام کی تعلیم صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بے زبان جانوروں سے بھی شفقت کا حکم ہے۔رسول کریم ﷺ اپنے صحابہ کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ ''یاد رکھو کہ ہر جاندار چیز پر رحم کرنا ثواب کا موجب ہے''۔

(چالیس جواہر پارے، تصنیف حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم اے، نظارت نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ قادیان، 2001)

بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کے ضمن میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''ہمارا یہ اصول ہے کہ کل بنی نوع کی ہمدردی کرو۔اگر ایک شخص ہمسایہ ہندو کو دیکھتا ہے کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور یہ نہیں اٹھتا کہ تا آگ بجھانے میں مدد دے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے نہیں ہے۔اگر ایک شخص ہمارے مریدوں میں سے دیکھتا ہے کہ ایک عیسائی کو کوئی قتل کرتا ہے اور وہ اس کے چھڑانے کے لئے مدد نہیں کرتا تو میں تمہیں بالکل درست کہتا ہوں کہ وہ ہم میں سے نہیں''(''سراج منیر''، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 28) اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں ''میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔میں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔میں صرف اُن باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول ہے''۔

(اربعین نمبر ا، روحانی خزائن جلد 17، صفحہ 344)

جو چاہتا ہے کہ خدا کو پائے اور حیّ و قیوم خدا کو ملے تو وہ زندوں کو تلاش کرے
مَیں جو اصلاح خلق کے لئے آیا ہوں جو میرے پاس آتا ہے وہ اپنی استعداد کے موافق ایک فضل کا وارث بنتا ہے۔ یہ فضل اور برکت صحبت میں رہنے سے ملتی ہے۔

”مُردوں سے مدد مانگنے کا خدا نے کہیں ذکر نہیں کیا، بلکہ زندوں ہی کا ذکر فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا جو اسلام کو زندوں کے سپرد کیا۔ اگر اسلام کو مُردوں پر ڈالتا تو نہیں معلوم کیا آفت آتی۔ مُردوں کی قبریں کہاں کم ہیں۔ کیا ملتان میں تھوڑی قبریں ہیں۔ ”گرد و گرما، گدا و گورستان“ اُس کی نسبت مشہور ہے۔ میں بھی ایک بار ملتان گیا۔ جہاں کسی قبر پر جاؤ مجاور کپڑے اُتارنے کو گرد ہو جاتے ہیں۔ پاک پٹن میں مُردوں کے فیضان سے دیکھ لو کیا ہو رہا ہے؟ اجمیر میں جا کر دیکھو۔ بدعات اور محدثات کا بازار کیا گرم ہے۔ غرض جب مُردوں کو دیکھو گے اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ اُن کے مشاہدہ میں سوا بدعات اور ارتکاب مناہی کے کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے جو صراط مستقیم فرمایا ہے وہ زندوں کی راہ ہے، مُردوں کی راہ نہیں۔ پس جو چاہتا ہے کہ خدا کو پائے اور حی و قیوم خدا کو ملے، تو وہ زندوں کو تلاش کرے، کیونکہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے، نہ مردہ۔ جن کی کتاب مُردہ وہ مُردوں سے برکت چاہیں تو کیا تعجب ہے۔ لیکن اگر سچا مسلمان جس کا خدا زندہ خدا، جس کا نبی زندہ نبی، جس کی کتاب زندہ کتاب ہے اور جس دین میں ہمیشہ زندوں کا سلسلہ جاری ہو اور ہر زمانہ میں ایک زندہ انسان خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا کرنے والا آتا ہو، وہ اگر اُس زندہ کو چھوڑ کر بوسیدہ ہڈیوں اور قبروں کی تلاش میں سرگردان ہو تو البتہ تعجب اور حیرت کی بات ہے!!!

پس تم کو چاہئے کہ تم زندوں کی صحبت تلاش کرو اور بار بار اُس کے پاس آکر بیٹھو۔ ہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ میں تاثیر نہیں ہوتی۔ سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوئی۔ جو سلسلہ منہاج نبوّت پر قائم ہوگا اُس میں بھی تدریجی ترقی کا قانون کام کرتا ہوگا۔ پس چاہئے کہ صحابہؓ کی طرح اپنے کاروبار چھوڑ کر یہاں آکر بار بار اور عرصہ تک صحبت میں رہو تا کہ تم دیکھو جو صحابہؓ نے دیکھا اور پاؤ جو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پایا۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے ’یا تُوں لوڑ مقدمی یا توں اللہ نوں لوڑ‘۔

تم دیکھتے ہو کہ میں بیعت میں یہ اقرار لیتا ہوں کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ یہ اس لئے تا کہ میں دیکھوں کہ بیعت کنندہ اس پر کیا عمل کرتا ہے؟ ذرہ سی زمین کسی کو مل جاوے تو وہ گھر بار چھوڑ کر وہاں جا بیٹھتا ہے اور ضروری ہوتا ہے کہ وہ وہاں رہے تا وہ زمین آباد ہو...... پھر ہم جو ایک نئی زمین اور ایسی زمین دیتے ہیں جس میں اگر صفائی اور محنت سے کاشت کی جاوے تو ابدی پھل لگ سکتے ہیں، کیوں یہاں آکر لوگ گھر نہیں بناتے۔ اور اگر اس بے احتیاطی کے ساتھ اس زمین کو کوئی لیتا ہے کہ بیعت کے بعد یہاں آنا اور چند روز ٹھہرنا بھی دوبھر اور مشکل معلوم دیتا ہے تو پھر اُس کی فصل کے پکنے اور بار آور ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قلب کا نام بھی زمین رکھا ہے۔ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا﴾ (الحدید: ۱۸)

زمیندار کو کس قدر تردّد کرنا پڑتا ہے۔ بیل خریدتا ہے، ہل چلاتا ہے، تخم ریزی کرتا ہے، آبپاشی کرتا ہے، غرضیکہ بہت بڑی محنت کرتا ہے اور جب تک خود دخل نہ دے کچھ بھی نہیں بنتا۔ لکھا ہے کہ ایک شخص نے پتھر پر لکھا دیکھا ’زرع زر ہی زر ہے‘ کھیتی تو کرنے لگا مگر نوکروں کے سپرد کر دی۔ لیکن جب حساب لیا کچھ وصول ہونا تو درکنار کچھ واجب الادا ہی نکلا۔ پھر اس کو اس موقع پر شک پیدا ہوا تو کسی دانشمند نے سمجھایا کہ نصیحت تو سچی ہے لیکن تمہاری بے وقوفی ہے۔ خود مہتمم بنو تب فائدہ ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح پر ارض دل کی خاصیت ہے۔ جو اُس کو بے عزتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس کو خدا تعالیٰ کا فضل اور برکت نہیں ملتی۔ یاد رکھو، میں جو اصلاح خَلق کے لئے آیا ہوں جو میرے پاس آتا ہے وہ اپنی استعداد کے موافق ایک فضل کا وارث بنتا ہے۔ لیکن میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ جو سرسری طور پر بیعت کر کے چلا جاتا ہے اور پھر اُس کا پتہ بھی نہیں ملتا کہ کہاں ہے اور کیا کرتا ہے اُس کے لئے کچھ نہیں ہے۔ وہ جیسا تہی دست آیا تھا، تہی دست جاتا ہے۔

یہ فضل اور برکت صحبت میں رہنے سے ملتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے پاس صحابہؓ بیٹھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ۔ گویا صحابہؓ خدا کا رُوپ ہو گئے۔ یہ درجہ ممکن نہ تھا کہ ان کو ملتا اگر دور ہی بیٹھے رہتے۔ یہ بہت ضروری مسئلہ ہے۔ خدا کا قرب، بندگان خدا کا قرب ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا ارشاد ﴿کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبہ: ۱۱۹) اس پر شاہد ہے۔“

(ملفوظات جلد اوّل، صفحہ 153۔ جدید ایڈیشن)

فرمودات سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفة المسیح الخامس ایده الله تعالیٰ بنصره العزیز

'ایک روایت ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کے حوالے سے یہ حدیث بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ''اے آدم کے بیٹے تو اپنا خزانہ میرے پاس جمع کر کے مطمئن ہوجا، نہ آگ لگنے کا خطرہ، نہ پانی میں ڈوبنے کا اندیشہ اور نہ کسی چور کی چوری کا ڈر۔ میرے پاس رکھا گیا خزانہ میں پورا تجھے دوں گا اس دن جبکہ تو اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا''۔(طبرانی)

دیکھیں کتنا سستا سودا ہے۔ آج اس طرح خزانے جمع کروانے کا کسی کو ادراک ہے، شعور ہے تو صرف احمدی کو ہے۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی اس تعلیم کو سمجھتا ہے کہ ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ :273) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اللہ میاں کے دینے کے بھی کیا طریقے ہیں کہ جو اچھا مال بھی تم اس کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا لوٹائے گا۔ بلکہ دوسری جگہ فرمایا کہ کئی گنا بڑھا کر لوٹایا جائے گا۔ تم سمجھتے ہو کہ پتہ نہیں اس کا بدلہ ملے بھی کہ نہ ملے۔ فرمایا اس کا بدلہ تمہیں ضرور ملے گا بلکہ اس وقت ملے گا جب تمہیں اس کی ضرورت سب سے زیادہ ہوگی، تم اس کے سب سے زیادہ محتاج ہوگے۔ اس لئے یہ وہم دل سے نکال دو کہ تم پر کوئی ظلم ہوگا۔ ہرگز ہرگز تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ لوگ دنیا میں رقم رکھنے سے ڈرتے ہیں۔ بینک میں بھی رکھتے ہیں تو اس سوچ میں پڑے رہتے ہیں کہ بینکوں کی پالیسی بدل نہ جائے۔ منافع بھی میرا کم نہ ہوجائے۔ اور بڑی بڑی رقوم ہیں۔ کہیں یہ تحقیق شروع نہ ہوجائے کہ رقم آئی کہاں سے۔ اور فکر اور خوف اس لئے دامن گیر رہتا ہے، اس لئے ہر وقت فکر رہتی ہے کہ یہ جو رقم ہوتی ہے دنیاداروں کی صاف ستھری رقم نہیں ہوتی، پاک رقم نہیں ہوتی بلکہ اکثر اس میں یہی ہوتا ہے کہ غلط طریقے سے کمایا ہوا مال ہے۔ گھروں میں رکھتے ہیں تو فکر کہ کوئی چور چوری نہ کرلے، ڈاکہ نہ پڑ جائے۔ پھر بعض لوگ سود پر قرض دینے والے ہیں۔ کئی سو روپے سود پر قرض دے رہے ہوتے ہیں۔ لیکن چین پھر بھی نہیں ہوتا۔ سندھ میں ایک ایسے ہی شخص کے بارہ میں مجھے کسی نے بتایا کہ غریب اور بھوکے لوگوں کو جو قحط سالی ہوتی ہے۔ لوگ بیچارے آتے ہیں اپنے ساتھ زیور وغیرہ، سونا وغیرہ لاتے ہیں، ایسے سود خوروں سے رقم لے لیتے ہیں، اپنے کھانے پینے کا انتظام کرنے کے لئے اور اس پہ سود پھر اس حد تک زیادہ ہوتا ہے کہ وہ قرض واپس ہی نہیں کرسکتے۔ کیونکہ سود اتارنا ہی مشکل ہوتا ہے، سود در سود چڑھ رہا ہوتا ہے۔ تو اس طرح وہ سونا جو ہے یا زیور جو ہے وہ اس قرض دینے والے کی ملکیت بنتا چلا جاتا ہے۔ تو ایک ایسا ہی سود خور تھا اور فکر یہ تھی کہ میں نے بینک میں بھی نہیں رکھنا۔ تو اپنے گھر میں ہی، اپنے کمرے میں ایک گڑھا کھود کے وہیں اپنا سیف رکھ کے، تجوری میں سارا کچھ رکھا کرتا تھا۔ اور چالیس پچاس کلو تک اس کے پاس سونا اکٹھا ہوگیا تھا۔ اور اس کے اوپر اپنا پلنگ بچھا کر سویا کرتا تھا، خطرے کے پیش نظر کہ کوئی لے ہی نہ جائے۔ اور سونا کیا تھا کیونکہ سونے کے اوپر تو چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ ساری رات جاگتا ہی رہتا تھا۔ اسی فکر میں ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ فوت ہوگیا۔ تو وہ مال تو اس کے کسی کام نہ آیا۔ اب اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا کرنا ہے وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کی ضمانت خدا تعالیٰ بہرحال نہیں دے رہا جب کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی ضمانت ہے کہ تمہیں کیا پتہ تم سے کیا کیا اعمال سرزد ہونے ہیں، کیا کیا غلطیاں اور کوتاہیاں ہوجاتی ہیں لیکن اگر تم نیک نیتی سے اس کی راہ میں خرچ کروگے تو یہ ضمانت ہے کہ اعمال کے پلڑے میں جو بھی کمی رہ جائے گی تو چونکہ تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوگا تو کبھی نہیں ہوسکتا کہ تم پر ظلم ہو، اس وقت کمیوں کو اسی طرح پورا کیا جائے گا اور کبھی ظلم نہیں ہوگا۔

اس بارہ میں ایک اور روایت ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن حساب کتاب ختم ہونے تک انفاق فی سبیل اللہ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کئے ہوئے اپنے مال کے سایہ میں رہے گا''۔ (مسند احمد بن حنبل)

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ خرچ کیا ہوا مال پاک مال ہو، پاک کمائی میں سے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اتنے اجر اگر لینے ہیں اور اپنے مال کے سائے میں رہنا ہے تو گند سے تو اللہ تعالیٰ ایسے اعلیٰ اجر نہیں دیا کرتا۔ اور جن کا مال گندہ ہو ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے نہیں ہوتے اور اگر کہیں خرچ کر بھی دیں۔ اگر لاکھ روپیہ جیب میں ہے اور ایک روپیہ نکال کر دے بھی دیں گے تو پھر سو آدمیوں کو بتائیں گے کہ میں نے یہ نیکی کی ہے۔ لیکن نیک لوگ، دین کا درد رکھنے والے لوگ، جن کی کمائی پاک ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی بڑی قدر کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک کھجور بھی پاک کمائی میں سے اللہ کی راہ میں دی۔ اور اللہ تعالیٰ پاک چیز کو ہی قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کھجور کو دائیں ہاتھ سے قبول فرمائے گا اور اسے بڑھاتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ پہاڑ جتنی ہوجائے گی۔ جس طرح تم میں سے کوئی اپنے چھوٹے سے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک بڑا جانور بن جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

آج جماعت میں ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ان کے بزرگوں نے تکلیفیں اٹھا کر اپنی پاک کمائی میں سے جو قربانیاں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلوں کے اموال و نفوس میں بے انتہاء برکت ڈالی۔'' (خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 9 جنوری 2004ء)

مجرمانہ ارضی قیادت

نصیر احمد قمر

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب بھی نوع انسانی ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہو جاتی ہے ،گناہوں کی کثرت، ظلم وستم اور قسما قسم کی بدیاں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہیں تو وہ بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنے انبیاء کو مبعوث فرما کر ہدایت یافتہ آسمانی امامت کو قائم فرماتا ہے۔ پھر جو لوگ اس ہدایت یافتہ آسمانی امامت کو قبول کرتے ہیں وہ اپنے امام سے وابستگی کے نتیجہ میں اس کی دعاؤں اور روحانی توجہات کے فیض سے صلاحیت، نیکی اور تقویٰ کی راہوں میں آگے بڑھتے ہیں۔ ان کا دین بھی سنور نے لگتا ہے اور ان کی دنیا بھی اور وہ بتدریج ترقی اور کامیابی کی ارفع منازل کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اس کے مقابل پر اس ہدایت یافتہ آسمانی امامت کے منکرین اور انبیاء علیہم السلام کے مکذبین فسق وفجور اور ظلم وستم میں آگے بڑھتے ہیں اور دین و دنیا ہر لحاظ سے ذلت اور ادبار کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ ہدایت یافتہ آسمانی امامت کے مقابل پر گروہ مکذبین کی بھی ایک ارضی قیادت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ چونکہ ان کی ساری قوم ہی برائیوں میں ملوث اور جرائم پیشہ ہوتی ہے اس لئے ان کے قائدین، ان کے اکابرین بھی وہی قرار پاتے ہیں جو بدیوں اور برائیوں اور جرائم میں اور ہر طرح کے دجل وفریب اور مکاریوں میں ان سب پر فوقیت رکھتے ہوں۔ اور پھر ایسی گمراہ اور فاسق وفاجر اور مجرمانہ قیادت اپنے پیروکاروں سمیت تباہی وبربادی کے گڑھے میں جا گرتی ہے۔ قرآن مجید میں مذکور تاریخ انبیاء میں اس کی متعدد مثالیں محفوظ ہیں۔

جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ اب ایک طرف فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کے قریب پہنچا، دوسری طرف سامنے سمندر تھا۔ بنی اسرائیل گھبرا گئے اور کہا اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ ۔ کہ ہم تو پکڑے گئے۔ اس وقت خدا کے نبی نے کہا ”کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ“ (الشعراء: 63) ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ میرا ربّ میرے ساتھ ہے وہ مجھے کامیابی کا راستہ دکھائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہدایت یافتہ آسمانی امامت سے وابستگی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کو تو بچا لیا اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

سورۃ ھود کی آیات 97 تا 100 میں اللہ تعالیٰ نے مجرمانہ قیادت کی مثال کے طور پر فرعون کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ فرعون اور اس کے سرداروں نے ہدایت یافتہ آسمانی امامت اور اللہ تعالیٰ کے روشن نشانات کو جھٹلایا اور فرعون کے احکامات کی پیروی کی جو ہرگز رشد اور ہدایت پر مبنی نہیں تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوگا کہ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ۔ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۔ وَاُتْبِعُوْا فِیْ ھٰذِہٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (ھود:99 تا 100)۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو (دوزخ کی) آگ میں (جا) اتارے گا اور وہ (ان) کے اترنے کا گھاٹ بہت (ہی) برا ہے۔ اور اس دنیا میں (بھی) لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی ہے اور قیامت کے دن (بھی لگا دی جائے گی) یہ عطا جو (انہیں) دی جانے والی ہے، بہت (ہی) بُری ہے۔

”عقلمند انسان تو اس چیز کی پیروی کرتا ہے جو اسے صحیح راستہ دکھائے اور اس کے لئے مفید ہو لیکن فرعون کی ہدایت اس کے برخلاف ہلاکت کی طرف لے جاتی تھی...... یعنی بُرے آدمی کے پیچھے لگ کر انسان اس دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور اگلے جہان میں بھی“۔ (از تفسیر کبیر حضرت مصلح موعودؓ زیر تفسیر آیت سورۃ ھود 99 تا 100)

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات صرف ماضی میں ہی نہیں ہوئے بلکہ آئندہ بھی ہوں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے ہدایت یافتہ آسمانی امامت (الامام المھدی) کا انکار کیا اور اس کی تکذیب پر اصرار کیا، وہ اور ان کی قیادت ایسی ہی مجرمانہ قیادت ثابت ہوئی جس نے انہیں دن بدن بد سے بدتر حالت کی طرف دھکیلا۔

اہل حدیث کے ہفت روزہ ”تنظیم“ 5 ستمبر 1969ء میں لکھا ہے کہ کسی نے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب سے پوچھا کہ ”یا حضرت! مولوی ہو کر لوگ جوتے چُراتے پھرتے ہیں، دھینگا مشتی پر اتر آتے ہیں۔ یہ کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے؟“ اس پر تھانوی صاحب نے فرمایا: ”میاں! مولوی چور نہیں بنتا، چور مولوی بن جاتا ہے“۔ (ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور 5 ستمبر 1969ء)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ”ارشادات اکابر“ کے صفحہ 211 پر تحریر ہے کہ:

”حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین سے فرمانے لگے تم کہاں میرے پیچھے لگ گئے ہو۔ میرا حال تو اس پیر جیسا ہے جو حقیقت میں ایک ڈاکو تھا۔ اس ڈاکو نے جب یہ دیکھا کہ لوگ بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ پیروں کے پاس جاتے ہیں، ان کے پاس ہدیے تحفے لے جاتے ہیں، ان کے ہاتھ چومتے ہیں۔ یہ تو اچھا پیشہ ہے۔ میں خواہ مخواہ راتوں کو جاگ کر ڈاکے

ڈالتا ہوں۔ پکڑے جانے اور جیل میں بند ہونے کا خطرہ الگ ہوتا ہے۔ مشقت اور تکلیف علیحدہ ہوتی ہے۔اس سے اچھا یہ ہے کہ میں پیر بن کر بیٹھ جاؤں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے...... میرے ہاتھ چومیں گے...... میرے پاس ہدیے تحفے لائیں گے۔ چنانچہ یہ سوچ کر اس نے ڈاکہ ڈالنا چھوڑ دیا اور ایک خانقاہ بنا کر بیٹھ گیا......''۔(ارشادات اکابر صفحہ 211)۔

جس قوم کی مذہبی قیادت ایسے افراد پر مشتمل ہو اس قوم کی اخلاقی، مذہبی اور روحانی ابتری کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ جب کسی قوم کے مولوی چور بن جائیں یا جیسا کہ تھانوی صاحب نے کہا اور رشید گنگوہی صاحب نے اعتراف کیا چور اور ڈاکو مولوی یا پیر بن جائیں، ہر دو صورتوں میں اس قوم کا بدانجام کو پہنچنا ایک اٹل حقیقت ہے۔

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے منکرین و مکذبین جنہیں ان کے بداعمال خوبصورت کر کے دکھائے جاتے ہیں جب ان کی پکڑ کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کے لیڈروں کو، اس کے اکابر کو مجرم بنا دیتا ہے۔ ان کی لیڈر شپ خواہ وہ مذہبی لیڈر شپ ہو یا سیاسی، سماجی قیادت ہو یا اقتصادی، نیچے سے لے کر اوپر تک ہر سطح کی قیادت کرپٹ اور بدعنوان اور خائن اور راشی ہو جاتی ہے۔ ہر قسم کے جرائم پیشہ لوگ اور وہ جو معروف طور پر بدمعاش اور فاسق و فاجر اور پکے مجرم ہوتے ہیں وہ ان کے لیڈر اور ان کے اکابر بنا دیئے جاتے ہیں۔ جو جتنا بڑا فاسق و فاجر اور ظالم اور غاصب اور بدعنوان ہو وہ ان کے ہاں اتنا ہی معزز ہوتا ہے۔ ان کے ہاں عزت و تکریم کا معیار تقویٰ اللہ نہیں ہوتا بلکہ ان کے ہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون کتنا شاطر، کتنا عیار اور مکار ہے۔

قرآن کریم نے سورۃ الانعام آیت 124 میں اس کا ذکر ''اَکَابِرَ مُجْرِمِیْھَا'' کی خوبصورت ترکیب میں نہایت جامعیت سے فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا۔ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ (الانعام 124) یعنی اس طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو اس کے اکابر بنا دیا تا کہ وہ اس میں (نبیوں اور ان کے متبعین کے خلاف) سازشیں اور منصوبے بنائیں (لیکن درحقیقت) وہ اپنے نفسوں کے خلاف ہی تدبیریں کرتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں۔

ماضی میں بھی اور آج کے دور میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کے مکفرین و مکذبین کی ارضی قیادت خواہ وہ مذہبی قیادت ہو یا سیاسی قیادت ہمیشہ ایسے ہی افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ راہبروں کے لباس میں راہزن ہوتے ہیں۔ ان کے مکر و فریب، ان کی چالبازیاں، ان کی سازشیں، ان کی پالیسیاں ہمیشہ ان کے خلاف پڑتی ہیں۔ اور قوم دن بدن بد سے بدتر حال کی طرف لوٹتی چلی جاتی ہے۔ اخبار زمیندار لاہور 14 اگست 1915ء میں لکھتا ہے:

''جب فضائے آسمانی میں کسی قوم کی دھجیاں اُڑانے کے دن آتے ہیں تو اُس (قوم) کے اعیان و اکابر سے نیکی کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ اور اس کے صاحب اثر و نفوذ افراد کی بداعمالیوں کو اس کی تباہی کا کام سونپ دیا جاتا ہے اور یہ خود اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ مسلمانانِ ہند کی شامت اعمال نے مدتہائے مدید سے جھوٹے پیروں اور جاہل مولویوں اور ریا کار زاہدوں کی صورت اختیار کر رکھی ہے جنہیں نہ خدا کا خوف ہے نہ رسول کا پاس، نہ شرع کی شرم نہ عرف کا لحاظ۔ یہ ذی اثر و با اقتدار طبقہ جس نے اپنے دام تزویر میں لاکھوں انسانوں کو پھنسا رکھا ہے اسلام کے نام پر ایسی ایسی گھناؤنی حرکتوں کا مرتکب ہوتا ہے کہ ابلیس لعین کی پیشانی بھی عرقِ انفعال سے تر ہو جاتی ہے''۔ اسی اخبار نے 5 اپریل 1929ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

''میرا شمار خود مولویوں کی جماعت میں ہے اس لئے ان کی حقیقت سے خُوب واقف ہوں۔ میں پوری جرأت سے مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ملاؤں کو ایک منٹ بھر بھی مہلت نہ دیں اور اپنی سیاست اور اپنے دین دونوں دائروں میں سے یک لخت خارج کر دیں کیونکہ نہ وہ سیاست سے واقف ہیں نہ ہی مذہب کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ وہ صرف فریب اور دجل کے ماہر ہیں اور اپنی ذاتی اغراض کے بندے ہیں۔ وہ راہبر نہیں راہزن ہیں''۔

پس عامۃ المسلمین کے لئے لازم ہے کہ اگر وہ سلامتی کے خواہاں ہیں تو مجرمانہ قیادت کے چنگل سے نکلیں اور اس ہدایت یافتہ آسمانی امامت کے سامنے سر تسلیم خم کریں جسے خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں دنیا میں قائم فرمایا ہے۔ یعنی اس امام مہدی، امام ربانی، امام الزمان مسیح موعود کو قبول کریں جسے خدا نے احیاء اسلام کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ بصورت دیگر مجرموں پر مشتمل ان کی ارضی قیادت انہیں ایسے بُرے انجام تک لے جانے والی ہے، جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:
''چندو لعل مجسٹریٹ آریہ تھا۔ اور اس زمانہ میں وہ کھدر پوش تھا۔ ایک دن دوران مقدمہ میں حضور کا بیان ہوتا تھا۔ اور آدمیوں کی اس دن بہت کثرت تھی۔ اس لئے چندو لعل نے اس دن باہر میدان میں کچہری لگائی۔ اور حضرت صاحبؑ کے بیان کے درمیان میں دریافت فرمایا۔ کیا آپ کو نشان نمائی کا بھی دعویٰ ہے؟ آپؑ نے فرمایا۔ ہاں۔ اور تھوڑی دیر میں آپؑ نے فرمایا۔ جو نشان آپ چاہیں میں اس وقت دکھا سکتا ہوں۔ اور یہ بڑے جوش میں آپؑ نے فرمایا۔ اس وقت وہ سناٹے میں آ گیا اور لوگوں پر اس کا بڑا اثر ہوا'' (اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ 103)

نعمائے جنت پر ایک اعتراض کا جواب

نصیر احمد انجم

سرولیم میور اور ریورنڈ ویری نے قرآن کریم پر ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ
''قرآن کریم کی مکی سورتوں میں جنت میں عورتیں ملنے کا ذکر کثرت کے ساتھ ہے لیکن مدنی سورتوں میں صرف دوبار مختصر سا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں آپ کے پاس ایک سن رسیدہ بیوی تھی اور آپ کو عورتوں کا خیال ہر وقت رہتا تھا۔ مدینہ میں آکر آپ کے پاس زیادہ بیویاں ہوگئیں تو یہ ذکر بھی قرآن میں کم ہوگیا۔''

1: یہ اعتراض قرآن کریم پر قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ دراصل معترض کا اپنا ایک تعصب ہے جو کم از کم انصاف کے تقاضوں کو بھی پورا نہیں کر رہا۔ ورنہ آنحضرت کی ذات بابرکات پر یہ الزام ہرگز نہیں آسکتا۔ جو وجود رات کا حصہ کثیر عبادت الٰہی میں گزارتا ہو اور بعض اوقات ساری ساری رات اپنے مولا کے حضور آہ وزاری میں بسر کرتا ہو۔ اس کے متعلق یہ لکھنا کہ اسے عورتوں کا خیال رہتا تھا اسلئے وحی بناڈالی، ظلم ہے

یہ حضرات جو اپنے تئیں تاریخ اسلام اور اسلام پر ایک اتھارٹی سمجھتے ہیں، کیا یہ مشہور زمانہ روایت نہیں جانتے کہ جب مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کی صورت میں آئے اور ہر طرح کی پیشکش کی۔ سرداری، دولت یا پھر عورت۔ اور کہا کہ جو حسین عورت چاہو تمہارے حرم میں داخل کر دی جائے گی۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی خوبصورت جواب دیا جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ فرمایا:
''اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں ایک خدا کی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گا۔''

(سیرۃ ابن ہشام ذکر مباراۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قومہ)

یہ معترضین اس روایت کو یقیناً جانتے ہوں گے لیکن چونکہ دجل کا اظہار کرتے ہیں اسلئے ایسی ٹھوس روایات سے عمداً پرہیز کرتے ہیں۔

''مدینہ میں آپ کا یہ حال تھا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رات آپ میرے بستر میں تشریف لائے اور فرمایا: عائشہ اگر تم اجازت دو تو میں ساری رات خدا کی عبادت میں گزار دوں۔ آپ نے اجازت دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات عبادت میں مصروف رہے۔''

(تفسیر الکشاف سورۃ آل عمران زیر آیت ان فی خلق السمٰوٰت والارض)

''ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھلی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر موجود نہ پاکر آپ کی تلاش میں نکلیں۔ سب ازواج کے حجرات میں آپ کو دیکھنے لگیں۔ وہاں نہ پاکر مزید آگے بڑھیں تو کیا دیکھا کہ قبرستان کے سناٹے میں اک گٹھڑی سی پڑی ہے، اور آگے ہوئیں تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو اپنے رب کے حضور سر بسجود ہیں اور سینہ سے آوازیں ایسے آرہی ہیں جیسے ہنڈیا ابل رہی ہو۔'' (نسائی کتاب الافتتاح باب الدعا فی السجود)

2: معترض کا اعتراض اس لئے بھی بے وزن ہے کیونکہ مکی اور مدنی سورتوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عموماً مکی سورتوں میں باقی نعمائے جنت کا ذکر بھی کثرت سے ہے۔ مثلاً جنت میں شراب، شہد اور دودھ کی نہروں کا ذکر ہے۔ مدنی سورتوں میں ایسا ذکر کم ہے۔ اب کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ مکہ میں آپ کو شراب، شہد اور دودھ میسر نہیں تھے اسلئے وحی میں ان کا ذکر بار بار آتا تھا۔ مدینہ میں یہ چیزیں وافر میسر تھیں اس لئے ذکر ختم ہوگیا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو مکہ میں بھی آپ کو کشائش تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال آپ کے سپرد کر دیا تھا۔ جو آپ نے رفتہ رفتہ خدا کی راہ میں ہی خرچ کیا۔

پس یہ سوچ بھی غلط ہے کہ وحی آپ کے حالات اور اندرونی خواہشات کے باعث نازل ہوتی تھی۔ وحی الٰہی کے نزول کے اپنے مصالح ہیں اور ترتیب کا ایک عظیم الشان مضمون ہے جو قرآن کی سورتوں اور آیات میں جاری نظر آتا ہے۔

3: اگر غور کیا جائے تو نعمائے جنت کے بیان میں مکی سورتوں میں جو کثرت نظر آتی ہے اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ مکہ میں مشرکین مسلمان ہونے والے غریب لوگوں کو یہ طعنہ دیتے تھے کہ تمہارے پاس وہ نعمتیں نہیں ہیں جو ہمیں حاصل ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے انہیں خوشخبری دی کہ جن نعمتوں پر یہ اترا رہے ہیں خدا ان سے بہتر تمہیں عطا کرے گا۔ مدینہ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور یہ اعتراض نہ رہا تو اس کا ذکر بھی کم ہوگیا۔ اب دونوں سورتوں میں احکام موجود ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی حالت پتلی دیکھ کر مخالف اعتراض کرے تو مکی سورتوں میں جواب موجود اور جہاں یہ اعتراض نہ ہو اور مدینہ والی حالت ہو اور اس حوالے سے

اعتراضات ہوں تو مدنی سورتوں میں جواب موجود ہے۔

''نعمائے جنت'' کے حوالہ سے جو تشریحات ہم دیکھتے ہیں اس سے مراد صرف یہ نہیں کہ مرنے کے بعد جنت میں یہ نعمتیں میسر آئیں گی بلکہ یہ مراد ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ مسلمان بھی فتوحات کے ذریعہ ان نعمتوں کے وارث بن جائیں گے۔ گویا یہ پیشگوئی بھی تھی۔

4: مکی سورتوں میں اعتقادات کا ذکر زیادہ ہے۔ ایک نئی شریعت کا نزول ہو رہا تھا۔ جو نئے عقائد تھے، ان کا تعارف ضروری تھا۔ ان کی حکمتوں کا بیان ضروری تھا تاکہ طبائع انہیں سمجھ کر قبول کرلیں۔ جنت بھی عقائد میں سے ہیں۔ اسلئے نعمائے جنت کا ذکر بھی مکی سورتوں میں لازمی ہونا چاہیے تھا۔

مدینہ میں چونکہ اسلامی تمدن کا قیام مقدم تھا۔ اسلئے تمدنی اور معاشرتی احکامات زیادہ ہیں۔ یہ دونوں قسم کے بیانات حکمت کے عین مطابق ہیں۔ قرآن کریم کی سورتوں کے وقتِ نزول میں ایک نہایت شاندار حکمت پائی جاتی ہے۔ کسی بھی نئے کام کی طرف طبائع کو راغب کرنے کے لئے انذار و تبشیر نہایت اہم ہوتا ہے۔ یہ ایک بنیادی نفسیاتی اصول ہے۔ قرآن کریم کی مکی سورتوں میں جنت و جہنم اور اس کی نعماء اور سزاؤں کا بیان اسی سبب سے ہے اور جب طبائع اُس نئے پیغام کو قبول کرلیں تو پھر احکامات دئے گئے۔ چونکہ اس وقت طبائع اسلام کو قبول کر کے نرم ہو چکی تھیں اس لئے احکامات کو قبول کرنا، اپنی پرانی عادات و رسومات کو چھوڑنا ان کے لئے سہل تھا۔ اگر نزول قرآن کے آغاز میں یہی شراب چھوڑنے، زنا نہ کرنے اور اس جیسے احکامات نازل ہوتے تو لوگوں کے لئے ان پر عمل کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اسی نفسیاتی نکتہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے جو بخاری کتاب فضائل القرآن باب تالیف القرآن میں آئی ہے۔

''یوسف بن ماھک بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا جب ایک عراقی ان کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ کونسا کفن بہتر ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تیرا برا ہو۔ تمہیں کیا چیز تکلیف دیتی ہے؟ پھر اس نے عرض کی کہ اے ام المومنین مجھے اپنا مصحف دکھایئے! انہوں نے فرمایا کہ کیوں؟ اس نے کہا: تاکہ میں اس کے مطابق قرآن کریم کو ترتیب دوں کیونکہ قرآن بلا ترتیب پڑھا جا رہا ہے۔ آپؓ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ تم جو مرضی پہلے پڑھ لو۔ سب سے اول جو سورۃ نازل ہوئی وہ مفصل کی سورۃ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے۔ پھر جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اور اگر سب سے قبل یہی نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو، تو وہ ضرور کہتے کہ ہم تو شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور اگر زنا کی حرمت کا حکم سب سے اول نازل ہوتا تو وہ ضرور کہتے کہ ہم تو زنا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نازل ہوئی۔ **بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی و امر** اور اس وقت میں ایک کھیلنے کودنے والی بچی تھی۔ اور سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء جب نازل ہوئیں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شادی ہو چکی تھی۔)''

راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عائشہؓ نے اس کے لئے مصحف نکالا اور اسے سورۃ کی آیتیں لکھوائیں۔

5: اصل بات یہ ہے کہ چونکہ عیسائیوں کے نزدیک دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے، ان کی کتب میں بھی آخرت کے حوالہ سے واضح بیانات نہیں ہیں۔ قرآن کریم بھی ان کی حالت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

فضلّ سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا (الکھف ع12)

''یعنی ان کی تمام سعی کا دائرہ دنیاوی زندگی تک ہی ہے۔'' اس لئے قرآن مجید میں جب آخرت، جنت، جہنم، نعمائے جنت، جہنم کی سزائیں یہ بیانات پائے جاتے ہیں تو وہ ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ان کی حکمتیں ان کی سمجھ سے بالا ہیں۔

6: اگر کوئی الزامی جواب دینا چاہے تو ان کے گندے اعتراض کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ چونکہ یسوع ساری عمر شادی نہ کر سکا اس لئے اسے ہمیشہ یہ خیال تنگ کرتا تھا کہ کاش وہ بھی دلہا بنے۔ چنانچہ اپنی دوبارہ آمد کا بیان بھی اسی سبب سے تھا کہ پہلی دفعہ تو کامیابی نہیں ہوئی دوسری مرتبہ آ کر ساری کسر نکالوں گا اور اکٹھی پانچ کنواریوں کو لیکر شادی کی ضیافت میں جاؤں گا۔ چنانچہ متی باب 25 آیت 1 تا 13 میں اس کی تفصیل یوں درج کی گئی ہے:

''اس وقت آسمان کی بادشاہی ان دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنی مشعلیں لیکر دلہا کے استقبال کو نکلیں۔ ان میں پانچ بیوقوف اور پانچ عقلمند تھیں۔ جو بیوقوف تھیں انہوں نے اپنی مشعلیں تو لے لیں مگر تیل اپنے ساتھ نہ لیا۔ مگر عقلمندوں نے اپنی مشعلوں کے ساتھ اپنی کپیوں میں تیل بھی لے لیا۔ اور جب دلہا نے دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں اور سو گئیں۔ آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دلہا آ گیا! اس کے استقبال کو نکلو۔ اس وقت وہ سب کنواریاں اٹھ کر اپنی اپنی مشعل درست کرنے لگیں۔ اور بیوقوفوں نے عقلمندوں سے کہا کہ اپنے تیل میں سے کچھ ہم کو بھی دے دو کیونکہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں۔ عقلمندوں نے جواب دیا کہ شاید ہمارے تمہارے دونوں کے لئے کافی نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ بیچنے والوں کے پاس جا کر اپنے واسطے مول لے لو۔ جب وہ مول لینے جا رہی تھیں تو وہ دلہا آ پہنچا اور جو تیار تھیں وہ اس کے ساتھ شادی کے جشن میں اندر چلی گئیں اور دروازہ بند ہو گیا۔

پھر وہ باقی کنواریاں بھی آئیں اور کہنے لگیں اے خداوند! ہمارے لئے دروازہ کھول دے۔ اس نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تم کو نہیں جانتا۔ پس جاگتے رہو کیونکہ تم نہ اس دن کو جانتے ہو نہ اس گھڑی کو۔''

☆ ہمیں اس پہلو سے بھی دیکھنا چاہیے کہ شریعت میں جب تعلیمات واحکامات کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں ان ساری باتوں کا ذکر ہوگا جو ایک معاشرے یا اس معاشرے کے افراد سے متعلق ہوگی۔ روحانی واخلاقی تعلیمات واحکامات کے ساتھ ساتھ لامحالہ جسمانی ضروریات کا بھی ذکر ہوگا۔ ہاں یہ بھی ایک علمی نکتہ ہے کہ بعض اوقات تمثیلی رنگ میں جسمانی چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور کم علم معترض اپنے تعصب کی نظر سے جب وہاں آتا ہے تو ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ اب حضرت مسیح ناصری کے ارشادات ہی مدنظر رکھ کر دیکھ لیں تو کیا معترض کے پیمانے کے مطابق وہاں بھی یسوع کی اپنی کوئی سوچ کارفرما ہوگی؟ کہاں نو بیویوں کے باوجود اعتراض کرنے والوں کو پھر بھی جسمانی تعلقات کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ وہاں تو بے چارے یسوع کی ساری عمر شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر تو اعتراض اور وزنی ہوجائے گا کہ چونکہ اس کی اپنی شادی نہیں ہوسکی اس لئے ہر وقت عورتوں کا خیال رہتا تھا اور اپنی باتوں میں کنواریوں کا ذکر بہت کرتے تھے۔ اگر معترض کی عینک سے دیکھیں تو ایسے ہی لگے گا۔

وگرنہ حاشا و کلا ایسی بات نہیں ہے۔ یہ لوگ جو خدا کے رسول اور پیامبر ہوا کرتے ہیں یہ تو ما ینطق عن الھوی۔ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولا کرتے۔ ان ھو الا وحیٌ یوحی. جو خدا کہے وہ بولتے ہیں۔ یہ تو خدا کے منہ کی نفیری ہوا کرتے ہیں۔ مسیح ناصری علیہ السلام ہو یا موسیٰ، سلیمان ہو یا داؤد۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سب رسولوں کے سرتاج تھے۔

''ایک دفعہ چندو لعل نے حضرت صاحبؑ کے الہام انی مھین من اراد اھانتک کے متعلق سوال کیا کہ یہ خدا نے آپ کو بتایا ہے؟ آپؑ نے فرمایا یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اس کا مجھ سے وعدہ ہے۔ وہ کہنے لگا جو آپ کی ہتک کرے وہ ذلیل خوار ہوگا۔ آپؑ نے فرمایا بیشک۔ اس نے کہا اگر میں کروں۔ آپؑ نے فرمایا چاہے کوئی کرے۔ تو اس نے دو تین دفعہ کہا اگر میں کروں۔ آپؑ یہی فرماتے رہے چاہے کوئی کرلے۔ پھر وہ خاموش ہوگیا۔''

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ 103)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ دو شخص منی پور آسام سے قادیان آئے اور مہمان خانہ میں آکر انہوں نے خادمانِ مہمان خانہ سے کہا کہ ہمارے بستر اتارے جائیں اور سامان لایا جائے۔ چارپائی بچھائی جائے۔ خادموں نے کہا آپ خود اپنا اسباب اتروائیں۔ چارپائیاں بھی مل جائیں گی۔ دونوں مہمان اس بات پر رنجیدہ ہوگئے۔ اور فوراً یکہ میں سوار ہوکر واپس روانہ ہوگئے۔ میں نے مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے یہ ذکر کیا تو مولوی صاحبؓ فرمانے لگے۔ جانے بھی دو ایسے جلد بازوں کو۔ حضورؑ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو نہایت جلدی سے ایسی حالت میں کہ جوتا پہننا بھی مشکل ہوگیا۔ حضورؑ ان کے پیچھے نہایت تیز قدم چل پڑے چند خدام بھی ہمراہ تھے میں بھی ساتھ تھا۔ نہر کے قریب پہنچ کر ان کا یکہ مل گیا اور حضورؑ کو آتا دیکھ کر وہ یکہ سے اتر پڑے اور حضورؑ نے انہیں واپس چلنے کیلئے فرمایا کہ آپ کے واپس ہونے کا مجھے بہت درد پہنچا۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے۔ حضورؑ نے یکہ پر سوار ہونے کیلئے انہیں فرمایا۔ اور کہ میں ساتھ ساتھ چلتا ہوں مگر وہ شرمندہ تھے اور وہ سوار نہ ہوئے۔ اس کے بعد مہمان خانہ میں پہنچے، حضورؑ نے خود ان کے بستر اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر خدام نے اتار لیا۔ حضورؑ نے اسی وقت دو نواری پلنگ منگوائے اور ان پر ان کے بستر کرائے۔ اور ان سے پوچھا کہ آپ کیا کھائیں گے۔ اور خود ہی فرمایا کیونکہ اس طرف چاول کھائے جاتے ہیں۔ اور رات کو دودھ کے لئے پوچھا۔ غرضیکہ ان کی تمام ضروریات اپنے سامنے مہیا فرمائیں اور جب تک کھانا آیا وہیں ٹھہرے رہے اس کے بعد حضورؑ نے فرمایا کہ ایک شخص جو اتنی دور سے آتا ہے۔ راستہ کی تکالیف اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر سمجھتا ہے کہ اب میں منزل پر پہنچ گیا۔ اگر یہاں آکر بھی اس کو وہی تکلیف ہو تو یقیناً اس کی دل شکنی ہوگی۔ ہمارے دوستوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد جب تک وہ مہمان ٹھہرے رہے حضورؑ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ ایک گھنٹہ کے قریب ان کے پاس آکر بیٹھتے اور تقریر وغیرہ فرماتے۔ جب وہ واپس ہوئے تو صبح کا وقت تھا۔ حضورؑ نے دو گلاس دودھ کے منگوائے اور انہیں فرمایا یہ پی لیجئے۔ اور نہر تک انہیں چھوڑنے کیلئے ساتھ گئے۔ راستہ میں گھڑی گھڑی ان سے فرماتے رہے کہ آپ تو مسافر ہیں آپ یکہ میں سوار ہولیں۔ مگر وہ سوار نہ ہوئے۔ نہر پر پہنچ کر انہیں سوار کرا کر حضورؑ واپس تشریف لائے۔ (اخبار الحکم 21 اپریل 1934ء)

کیا آنحضور ﷺ تنقید برداشت نہ فرمایا کرتے تھے؟

مسعود احمد سلیمان

تاریخ اسلام کا ہر قاری اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہرگز ہرگز یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ آپ دوسروں کی تنقید برداشت نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ اس قدر فراخ دل اور وسیع حوصلہ والے تھے کہ عام تنقید تو کہیں رہ گئی آپ تو دوسروں کے سبّ و شتم اور انتہائی دلآزار باتوں کو بھی ماتھے پر تیوری لائے بغیر ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ سنا کرتے تھے۔ دراصل یہی تو وہ اخلاق محمدی کی دھاری دار تلوار تھی جس نے نہایت سفاک اور سنگدل دشمنوں کو بھی گھائل کردیا۔ وہ جو عداوت اور بغض اور کینہ میں بڑھے ہوئے تھے آپ کے جانثار محبین میں شامل ہوگئے۔ آپ کی رحمت کا یہی وہ لازوال ابر کرم تھا جس نے ہر چیز کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ یہی وجہ تھی کہ کامیابی آپ کے قدم چومتی تھی اور فتوحات آپ کا استقبال کرتیں تھیں۔ آپ کے بلند و بالا اخلاق کے جادو نے آپکی قوم کو اسقدر آپ کی محبت اور عشق سے سرشار کردیا تھا کہ وہ آپ کی معمولی سے معمولی تکلیف کے بدلہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو مستعد رہتے تھے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ تمام برکتیں آپ کی ذات اقدس سے وابستہ ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی تو صحابہ اس بات کو تسلیم کرنے کو ہی تیار نہ تھے کہ آپ اس جہان سے رخصت ہوچکے ہیں۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب مرض النبی ﷺ)

یہ عظیم الشان انقلاب آپ نے جس قوم میں پیدا فرمایا وہ کوئی مہذب اور بااخلاق قوم نہ تھی بلکہ وہ جہالت اور گمراہی میں اپنی مثل آپ تھے۔ ہر قسم کے فتنہ اور فساد کے ساتھ انانیت، تکبر، غرور، قبائلی تفاخر، نسل پرستی اور تعصب وغیرہ وغیرہ کے امراض ان میں عروج پر تھے۔ وہ قوم جو معمولی معمولی باتوں کو اپنی انا اور غیرت کا مسئلہ بنا کر جنگ و جدال کے میدان کو سالہا سال تک لالہ زار بنائے رکھتی اور انکی بے نیام تلواریں کبھی بھی اپنے مخالف کے خون سے سیراب نہ ہو پاتیں۔ ایسی قوم کب کسی ڈکٹیٹر کو قبول کرسکتی ہے۔ ایسا سخت دل اور جابر حاکم جو کسی کی تنقید بھی برداشت نہ کرسکے کب ایسی قوم کی آنکھوں کا تارہ بن سکتا ہے۔ آیئے اب ہم قدرے تنقیص سے اس اعتراض کا جائزہ لیں کہ کیا آنحضور ﷺ تنقید برداشت نہ فرمایا کرتے تھے؟ تنقید تو ہر انسان پر ہوسکتی ہے، بلکہ ہوتی ہے یہ تنقید کبھی جائز بھی ہوتی ہے اور کبھی ناجائز ہوتی ہے۔ کبھی اپنوں کی طرف سے ہوتی ہے تو کبھی غیروں کی طرف سے۔ آنحضور ﷺ کی تاریخ و سیرت کا اس پہلو سے جائزہ لیں تو ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جب آپ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا مگر ہمیشہ آپ نے خندہ پیشانی سے اس تنقید کو سنا اور موقعہ محل کی مناسبت سے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔ اختصار کی خاطر میں صرف ایک مثال دینے پر اکتفا کروں گا۔

دشمنوں کی طرف سے تنقید

اس کے متعلق ایک دلچسپ روایت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے زَیۡد بِنۡ سَعۡنَۃ کو ہدایت دینی چاہی تو زَیۡد بِنۡ سَعۡنَۃ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف جب میں نے دیکھا تو آپ ﷺ میں تمام علامات نبوت (وہ تمام علامات نبوت جو تورات میں درج تھیں) مجھے نظر آئیں سوائے دو باتوں کے جن کا مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ میں ہیں یا نہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نبی کا حلم اس کے غصہ پر غالب ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ جتنا ہی زیادہ اس کو غصہ دلایا جائے اور اس کی گستاخی کی جائے اتنا ہی زیادہ وہ حلم اور بردباری دکھائے گا اور میں اس کی جستجو میں رہا کہ کبھی موقع ملے تو ان علامتوں کو بھی آزماؤں زَیۡد بِنۡ سَعۡنَۃ (یہودی) کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر آئے آپ ﷺ کے ساتھ علی بن

ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اس دوران ایک سوار آیا جو بدوی یعنی دیہاتی لگتا تھا اس نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ بنوفلاں کے گاؤں بُصریٰ کے لوگ مسلمان ہوگئے ہیں اور میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کو وافر رزق ملے گا اب وہ قحط سے دو چار ہیں کیونکہ بارشیں نہیں ہوئیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ حرص اور لالچ میں آ کر اسلام سے نکل نہ جائیں جس طرح کہ وہ فراخی رزق کی ترغیب دلانے پر مسلمان ہوئے تھے۔اگر آپ مہربانی فرمادیں اور مناسب سمجھیں تو ان کی طرف کچھ بھیج کر ان کی مدد اور دلداری فرماویں آپ ﷺ نے اس کی بات سن کر علی کی طرف دیکھا تو انہوں نے عرض کیا اس وقت تو ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو مدد کے طور پر بھیجی جا سکے۔زَید بِنُ سَعْنَۃُ کہتے ہیں کہ میں (قریب ہی تھا) آپ کے پاس آیا اور کہا اے محمد ﷺ کیا بنوفلاں کے باغ کی کھجوریں ایک طے شدہ مقدار اور طے شدہ مدت کی شرط پر (یعنی بطور بیع سلم) بیچ سکتے ہیں آپ نے فرمایا اے یہودی طے شدہ مقدار اور مدت کی شرط پر کھجوریں تو بیچ سکتا ہوں لیکن یہ شرط نہیں مان سکتا کہ یہ کھجوریں بنوفلاں کے باغ کی ہی ہوں گی۔میں نے کہا ٹھیک ہے چنانچہ آپ نے مجھ سے سودا طے کرلیا اور میں نے اپنی تھیلی کھول کر آپ کو 80 مثقال (بطور پیشگی قیمت) دے دیا کہ فلاں وقت اتنی کھجوریں آپ مجھے دے دیں آپ نے وہ سونا اس شخص کو دے دیا (جو مدد مانگنے کے لئے آیا تھا) اور فرمایا یہ برابر ان مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم کردو اور ان کی مدد کرو۔زَید بِنُ سَعْنَۃُ کہتے ہیں کہ ابھی مدت مقررہ میں دو تین دن باقی تھے کہ میں آپ کے پاس آیا اور آپ کا گریبان پکڑ لیا چادر کھینچی اور بڑے غصہ کی حالت بنا کر کہا۔اے محمد! کیا میرا حق ادا نہیں کرو گے خدا کی قسم! تم بنوعبدالمطلب اپنی اس عادت کو اچھی طرح جانتے ہو کہ قرض ادا کرنے میں بڑے بُرے ہو اور تمہاری ٹال مٹول کی اس عادت کو میں بھی جانتا ہوں (اور اس کا مجھے تجربہ ہے) اس وقت میں عمرؓ کی طرف (جو پاس ہی تھے) دیکھ رہا تھا کہ (غصہ کے مارے) ان کی آنکھیں یوں گھوم رہی ہیں جس طرح گھومنے والی کشتی یا پھِرکی۔آپؓ نے (حضرت عمرؓ نے) بڑی تیز غصہ بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور کہا اے اللہ کے دشمن! اللہ کے رسول ﷺ سے ایسا کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں اور اس طرح گستاخی سے پیش آتا ہے جسے میں دیکھ رہا ہوں۔اس خدا کی قسم جس نے ان کو حق دیکر بھیجا اگر مجھے ان کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اطمینان اور تسلی کے ساتھ عمرؓ کی طرف دیکھ رہے تھے اور تبسم فرما رہے تھے اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! اس غصہ کی بجائے میں اور یہ، دونوں اس بات کے زیادہ ضرورت مند ہیں کہ تو مجھے حُسنِ ادائیگی کے لئے کہے اور اسے حُسنِ تقاضا کے لئے۔اگرچہ ابھی ادائیگی کا وقت نہیں آیا اور کچھ دن باقی ہیں لیکن شاید یہ جلدی ادائیگی چاہتا ہے اس لئے جاؤ اسے (ذخیرہ میں سے) اس کا حق دلا دو اور بیس (20) صاع زیادہ کھجوریں دے دینا۔جب ادائیگی ہوئی تو میں نے عمرؓ سے کہا یہ زیادہ کس لئے؟ عمرؓ نے جواب دیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ جو سختی میں نے کی ہے اس کے عوض میں بیس (20) صاع زیادہ ادا کروں۔میں نے عمرؓ سے کہا آپ جانتے ہیں میں کون ہوں؟ عمرؓ نے کہا۔نہیں۔آپ کون ہیں؟ میں نے کہا میں زَید بِنُ سَعْنَۃُ ہوں عمرؓ نے پوچھا (وہ) حِبــــر یعنی یہود کا بڑا عالم؟ میں نے جواب دیا۔ہاں۔یہود کا عالم۔اس پر عمر نے کہا اتنے بڑے عالم ہو کر گستاخی کا یہ طریق تم نے کیوں اختیار کیا؟ میں نے جواب دیا۔جتنی بھی علامات نبوت (میں نے اپنی کتابوں میں پڑھیں) تھیں جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ میں وہ مجھے نظر آئیں سوائے دو علامات کے۔ایک یہ کہ کیا اس نبی کا حلم اس کے غصہ پر غالب ہے دوسرے یہ کہ جتنا زیادہ ان سے تلخی اور جہالت سے پیش آیا جائے اتنا ہی زیادہ وہ حلم اور بردباری سے پیش آئیں گے (سو موقع ملنے پر) میں نے ان دونوں باتوں کی آزمائش کی ہے۔اے عمرؓ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین۔محمد ﷺ کو اپنا نبی ماننے پر خوش ہوں اور آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ایک مالدار شخص ہوں میرا آدھا مال امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ ہے۔اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بعض امت محمد یہ کے لئے کہو کیونکہ ساری امت (کا تو کوئی شمار ہی نہیں ان) کے لئے یہ مال کیسے پورا آ سکتا ہے۔میں نے کہا اچھا بعض کی ضرورتوں کے لئے خرچ ہو۔اس کے بعد زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔اس طرح زید نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور کئی جنگوں میں آپ کے ساتھ شریک رہے۔یہاں تک کہ غزوۂ تبوک سے واپس آتے وقت راستہ میں ہی زید نے وفات پائی۔اللہ تعالیٰ زید پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔آمین

(مستدرک مع التلخیص کتاب معرفة الصحابة جلد 3 صفحہ 605)

منافقین کی طرف سے تنقید:

مدینہ اور اس کے مضافات میں خاصی تعداد منافقین کی موجود تھی۔ جو دن رات آنحضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث رہتے۔ آنحضور ﷺ پر ناجائز اعتراض کرنا اور تنقید کرنا ان کا شیوا تھا۔ مگر محض اس وجہ سے کبھی بھی آپ نے کسی کو نہ اپنی مجالس میں آنے سے روکا نہ ہی انہیں کسی قسم کی سزا دی بلکہ ہمیشہ عفوو درگزر اور بخشش کا سلوک فرمایا مثلاً ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مال آیا آپ نے اسے چار لوگوں میں تقسیم فرما دیا۔ اور بتایا کہ میں نے ان کی تالیف قلب کے لئے ایسا کیا ہے اس پر ایک شخص نے کہا ماعدلت کہ آپ نے عدل سے کام نہیں کیا۔ آپ نے اسے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ اس کی نسل سے ایسی قوم پیدا ہوگی جو دین سے باہر نکل جائے گی۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ والمؤلفة قلوبهم)

دوسری روایات میں اس کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے کہ اس شخص نے جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں رخسار باہر نکلے ہوئے تھے پیشانی بھی ابھری ہوئی تھی داڑھی گھنی اور سر گنجا، تہہ بند اٹھی ہوئی تھی نے کہا یارسول اللہ اتق اللہ۔ اے اللہ کے رسول اللہ سے ڈر۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اللہ کی کون اطاعت کرے گا جب میں اس کی نافرمانی کروں۔ پھر ایک شخص نے غالباً حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسے سزا دینے کے لئے اجازت طلب کی تو آنحضور ﷺ نے منع فرما دیا۔ اور فرمایا شاید کہ وہ نماز پڑھتا ہو۔ حضرت خالدؓ نے عرض کی کتنے ہی ایسے نمازی ہیں جو زبان سے کہتے ہیں مگر دل میں نہیں ہوتا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے لوگوں کا دل کھول کر پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا نہ ہی ان کے سینے چیر کر ان کے راز معلوم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی میں تو ان کے ظاہر کو دیکھ کر ہی فیصلہ کروں گا۔ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ذکر الخوارج وصفاتهم)

مسلمانوں کی طرف سے تنقید:

آپ ﷺ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ایسے کئی واقعات ملتے ہیں کہ آپ ؐ کے فیصلوں کے خلاف جب بعض صحابہ نے اپنی رائے دی تو بسا اوقات آپ نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور ان کی رائے کو قبول فرما لیا۔ مثلاً جنگ بدر کے موقعہ پر جب بدر کے میدان میں جا کر آپ نے پڑاؤ ڈالا تو ایک صحابیؓ حضرت حباب بن منذرؓ نے عرض کی کہ جنگی حکمت عملی کی وجہ سے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ اس کی بجائے فلاں جگہ پر پڑاؤ ڈالا جائے چنانچہ آنحضور ﷺ نے اس کی رائے پر عمل کیا۔

(سیرة ابن هشام قصه بدر باب مشورة الحباب علی رسول الله ﷺ)

اسی طرح جنگ احد کے موقعہ پر آپ چاہتے تھے کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے مگر بعض صحابہؓ کے مشورہ سے آپ نے اپنا فیصلہ بدل کر ان کے رائے کے مطابق عمل کیا (بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب باب امرهم شوریٰ)

آپ کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا جب آپ نے ایک فیصلہ صادر فرمایا اور تمام مسلمانوں بلکہ 14 سو صحابہ کا جم غفیر اس فیصلہ پر بظاہر عملدرآمد سے قاصر نظر آتا تھا۔ ہوا یوں کہ ہجرت مکہ کے 6 سال بعد آپ ایک رویا کی بنا پر عمرہ کرنے مکہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حدیبیہ کے مقام پر کفار نے راستہ روک لیا۔ بظاہر اس وقت مسلمانوں کی معقول تعداد آپ کے ساتھ تھی اور وہ چاہتے تھے کہ بزور شمشیر مکہ میں داخل ہو جائیں۔ مگر آنحضور ﷺ جانتے تھے کہ حج بیت اللہ کے لئے پرامن ماحول ضروری ہے۔ جنگ اور قتال کے راستے سے حج نہیں کیا جاسکتا۔ آنحضور ﷺ صلح و آشتی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ چنانچہ کفار مکہ کے ساتھ وہاں ایک صلح نامہ لکھا گیا۔ جو غیر مساویانہ اور غیر عادلانہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ صلح پر راضی ہو گئے۔ دوران کارروائی ایک مسلمان جو کفار کی قید میں تھا گرتا پڑتا پابہ زنجیر وہاں آ پہنچا۔ مسلمانوں سے اس کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی ابھی صلح نامہ پر دستخط نہ ہوئے تھے مگر کفار کے مطالبہ پر آنحضور ﷺ نے اسے واپس کر دیا ان تمام واقعات نے مسلمانوں کے اوسان مختل کر دیئے۔ اور جب حضور نے حکم دیا کہ یہیں اپنی قربانیاں ذبح کر دو اور واپسی کے لئے تیاری کرو تو ہر طرف سناٹا چھایا رہا۔ تین بار کے ارشاد پر بھی کچھ جنبش نہ ہوئی تو حضور اٹھے اور اپنی قربانی ذبح کرنے لگے۔ یہ دیکھتے ہی تمام صحابہ اپنی اپنی قربانیوں کی طرف لپکے اور قربانیاں ذبح کرنے لگے۔

(سیرة ابن هشام باب الهدنه)

لونڈی کی طرف سے تنقید:

عربوں میں جو غلاموں اور لونڈیوں سے جو سلوک ہوتا آج کل کے جدید دور میں اس کا صحیح تصور کرنا بھی محال ہے۔ کیونکہ جس دور میں سے ہم گزر رہے ہیں اس میں جانوروں کے بھی حقوق تسلیم کئے گئے ہیں ان پر بھی کوئی بے جا ظلم نہیں کر سکتا۔ مگر جس دور میں آنحضور ﷺ تشریف لائے

اس میں غلاموں کا کاروبار عروج پر تھا۔ جو شخص کوئی غلام یا لونڈی خرید لیتا پھر وہ اس پر ہر قسم کا اختیار رکھتا اور کسی قسم کے حقوق کا تصور بھی نہ تھا۔ غلام اور لونڈیاں ان کے آگے اونچی آواز میں بول بھی نہ سکتے تھے۔ وہ کلیۃً اپنے مالک کی ملکیت میں چلے جاتے تھے۔ آنحضور ﷺ نے آکر دنیا پر یہ عظیم احسان فرمایا کہ غلامی کو ختم فرمادیا۔ شروع شروع میں آپ نے غلاموں کے حقوق قائم فرمائے۔ انہیں جرأت اور ہمت دلوائی تا کہ وہ اپنے حقوق حاصل کر سکیں۔ پھر آہستہ آہستہ جب ان کا شعور بیدا ہوا تو غلامی سے آزاد کروادیا۔

ایک ایسی ہی لونڈی کا ذکر ملتا ہے جس کا نام بریرہ تھا۔ اسے حضرت عائشہؓ نے خرید کر آزاد کروایا تھا۔ اس کا خاوند مغیث تھا۔ جو اس سے بہت محبت رکھتا تھا مگر چونکہ یہ آزاد ہو چکی تھی اس لئے شریعت کی رو سے اسے اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے سابق غلام شوہر کے پاس رہے یا اس سے علیحدگی اختیار کر لے۔ چنانچہ اس نے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کے شوہر نے آنحضور سے اسے منانے کے لئے درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلا کر سمجھایا کہ وہ اپنے خاوند کے پاس چلی جائے۔ کیونکہ وہ اس کے بچوں کا باپ بھی ہے۔ اور اس کے فائدہ میں ہے کہ اس رشتہ کو دوبارہ قائم کر لے۔ اس پر بریرہ نے کہا یا رسول الله تامرنی قال انما اشفع قالت لا حاجة لي فيه

(سنن ابن ماجه كتاب الطلاق باب خيار الامة اذا اعطقت)

کہ یا رسول اللہ کیا یہ آپ کا حکم ہے آپ نے فرمایا نہیں یہ تو میری سفارش ہے اس نے کہا مجھے اس معاملہ میں آپ کی سفارش کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس اس نے آپ ﷺ کی سفارش کو رد کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ معترض جیسا کہ حضور ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں کہ گویا آپ ایک ڈکٹیٹر تھے (نعوذ باللہ من ذالک) اور ہرگز کسی کی تنقید برداشت نہ فرماتے تھے۔ آپ کی بات آخری ہوتی۔ آپ کا فیصہ اٹل ہوتا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کی رائے کے برخلاف رائے دے سکتا۔ یہ روایت اس اعتراض کو پارہ پارہ کر رہی ہے۔ کہ عام آدمی تو کیا اس دور کی آزاد ہونے والی لونڈیاں بھی بسا اوقات آپؐ کے مشورے اور سفارش کو رد کر دیا کرتی تھیں اور اس معاملے میں انہیں ہرگز کوئی خوف نہ تھا۔ اور آنحضور ﷺ نے مکمل مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ ہر شخص اپنی رائے دینے میں آزاد تھا اور جہاں محسوس کرتا مناسب مشورہ دیتا۔

آنحضور ﷺ تو اس قدر مشورے سنا کرتے تھے اور اس قدر لوگوں کے شکوے شکایتیں بھی سنتے کہ مخالفین آپ کے بارے میں کہتے کہ ھو اُذُنٌ (التوبۃ :61) کہ وہ تو کان ہی کان ہے۔ یعنی ہر کسی کی بات سننے لگ جاتا ہے۔ اور اس کثرت سے دوسروں کی باتیں سنتا ہے کہ گویا ہر وقت کا یہی معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ تمہاری بھلائی اور خیر کے لئے ہی تو تمہاری باتیں سنتا ہے۔ پس جو شخص اس طرح اپنی قوم کے لوگوں کی آراء سنے، ان کے مشورے سنے، ان کی تجاویز سنے اور ان کے شکوے شکایتیں بھی سنے اس کے متعلق کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ وہ کسی کی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ ہرگز نہیں۔ پس یہ اعتراض سراسر باطل اور جھوٹ پر مبنی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

بارش کا برسنا اور رکنا

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔ ''ایک دفعہ بڑی تپش کے بعد بارش آئی۔ جس کمرے میں، میں رہتا تھا اس کی کھڑکی میں نے کھولی اور بارش کا نظارہ دیکھنے لگا۔ چونکہ بڑی دیر کے بعد بارش آئی تھی۔ اس لئے مجھے اس بارش کا بڑا مزہ آیا۔ مگر اس روز مجھے پیچش کی شکایت تھی۔ میں ابھی بارش کا نظارہ دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھے اجابت محسوس ہوئی جب میں جانے لگا تو بے ساختہ میرے منہ سے نکلا کہ خدایا! تو ایسا فضل فرما کہ خواہ درمیانی عرصہ میں یہ بارش بند ہو جائے۔ جب میں واپس آؤں تو پھر بارش شروع ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جوں ہی میں گیا بارش بند ہو گئی۔ اور جب میں کمرہ میں واپس آیا اور میں نے دوبارہ کھڑکی کھولی تو یک دم بارش شروع ہو گئی۔ جو آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ تک جاری رہی۔ اب دیکھو بارش میرے اختیار میں نہیں تھی مگر خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ادھر میں کمرے میں پہنچا اور ادھر بارش شروع ہو گئی۔''

(تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 30)

حضرت بدھؑ کے حالاتِ زندگی اور بُدھ مت کی تعلیمات

(ڈاکٹر محمد جلال شمس)

حضرت بدھؑ کا اصلی نام سدھارتا (Siddharta) ہے۔ آپ شمالی ھندوستان میں رھائش پذیر ایک ھندو قبیلے کے سردار کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ جوانی میں آپ کا دُنیا کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ جب آپ کی عمر اُنتیس سال ہوئی تو آپ نے کوڑھ کا ایک مریض دیکھا۔ اسی طرح وفات شدہ ایک شخص کی نعش دیکھی۔ اس سے آپ کی توجہ اس طرف گئی کہ یہ دُنیا دکھوں کا گھر ہے۔ پھر آپ نے سوچنا شروع کیا کہ اِنسان دُکھوں سے کیسے نجات پاسکتا ہے؟ چنانچہ آپ اپنی جوان بیوی اور نوزائیدہ بچے کو چھوڑ کر حقیقی سکون کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کی ملاقات ھِندو برھمن راہبوں سے ہوئی۔ آپ نے اُن سے یہی سوال دریافت کیا کہ دُنیا کے دُکھوں کا کیا علاج ہے؟ لیکن ان کے جوابات سے آپ کی تسلی نہ ہوئی۔ اور آپ نے از خود ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے لئے چھ سال تک چلہ کشی کی۔ آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے رہے اور سوچ بچار میں یہ وقت اسی درخت کے نیچے گزارا۔ بالاخر ایک چاندرات کو آپ پر حقیقت ظاہر ہوئی اور آپ نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی اور قریباً سوا پانچ سو سال قبل مسیح میں اس نئے مذہب کا پرچار کرنا شروع کیا۔

''بدھا'' یا ''بُدھ'' دراصل ایک لقب ہے جس کے معنی ہیں دانا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے حقیقی دانائی کو تلاش کر لیا تھا اس لئے آپ بُدھ یا دانا اِنسان قرار پائے۔ آپ کو آپ کے قبیلے کے نام پر گوم یا گوتمہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی وفات اسی سال کی عمر میں ہوئی۔

بُدھ مت کی بنیاد شمالی ھندوستان میں رکھی گئی تھی۔ قریباً پونے پانچ سو سال قبل مسیح میں بُدھ ازم کی دو شاخیں ہوگئیں۔ پہلی شاخ ھِنیانہ (Hinyana) جنوب مشرقی ھندوستان، نیپال، تبت، بنگال میں پھیل گئی۔ جبکہ دوسری شاخ ماھایانہ (Mahayana) شمالی ھندوستان، چین، تبت اور جاپان میں رائج ہوئی۔ ۲۵۰ قبل مسیح میں راجہ اشوک کے زمانہ میں بُدھ ازم برما، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، ویت نام اور سری لنکا میں جڑھ پکڑ گیا۔ چونکہ بُدھ مت کی تعلیمات صرف زُبانی پیغام کے ذریعہ دوسرے انسانوں تک پہنچائی جاتی تھیں، اس لئے چینی بُدھ ازم، جاپانی بُدھ ازم اور تبتی بُدھ ازم کی تعلیمات بُنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بُدھ مت ھندوستان سے شروع ہوا تھا لیکن ھندوستان میں اس مذہب کے ماننے والے بہت تھوڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ برما، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، ویتنام، جاپان اور سری لنکا میں بدھ مت کے ماننے والے کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آج دنیا کا ہر پانچواں انسان بُدھ مت کا ماننے والا ہے۔

بُدھ مت کی تعلیمات شروع میں صرف زبانی وعظ و تلقین پر مشتمل تھیں راجہ اشوک کے دور میں (232-273 قبل مسیح) بُدھ مت کو عروج حاصل ہوا۔ اس راجہ نے بُدھ مت کی تعلیمات کو محفوظ کرنے کی خاطر بُدھ کے اقوال کو پہاڑوں کی چٹانوں پر کندہ کروایا۔ ظاہر ہے کہ یہ اقوال بھی صرف شنید کی حد تک محدود تھے اور اُن کے قابل اعتبار ہونے کے بارہ میں کوئی یقینی دلیل موجود نہیں تھی۔

حضرت بدھؑ سے قریباً پانچ سو سال بعد، بُدھ مت کی تعلیمات کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا۔ اس کو Tripitaka (تین ٹوکریاں) کا نام دیا جاتا ہے
اس کے تین حصے یہ ہیں:۔

(1) Vinaya Pitaka اس حصہ میں بُدھ راہبوں کے لئے اصول و قوانین بیان کئے گئے ہیں۔

(2) Sutta Pitaka اس حصہ میں بُدھ نے مذہب پر جو گفتگو کی، اُس کو بیان کیا گیا ہے۔

(3) Abhidhamma Pitaka اس حصہ میں بدھ نے مذہب کے بارہ میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اور دین کا جو تجزیہ کیا ہے اُس کا بیان ہے۔

بُدھ مت کی تعلیمات

بُدھ مت چار بنیادی عناصر سے متشکل ہے۔ بُدھ فلسفے کے مُطابق انسان کے

تمام دُکھوں، مصیبتوں اور اضطراب کی اصل وجہ آرزو یا خواہش ہے۔ انسان دنیوی مال ومناں اور آرام وآسائش کی خواہش کرتا ہے اور اُس کے نتیجے میں دُکھ جنم لیتے ہیں۔ چنانچہ بُدھ مت نے مندرجہ ذیل چار حقائق پیش کئے ہیں۔ ان کو چار بنیادی صداقتوں کا نام بھی دیا جاتا ہے:

۱: زندگی کی ہر شکل کے ساتھ دُکھ لگا ہوا ہے جو ہمیشہ زندگی کے ساتھ رہتا ہے۔ انسانی پیدائش، بیماری، بڑھاپا، موت، یہ تمام زندگی کی مختلف شکلیں یا حالتیں ہیں اور ہمیں ان سب میں دُکھ موجود نظر آتا ہے۔ یہ پہلی سچائی ہے۔

۲: دوسری سچائی یہ ہے کہ انسانی آرزو یا خواہش، مصیبتوں اور دُکھوں کو جنم دیتے ہیں۔

۳: تیسری سچائی یہ ہے کہ تکلیف اور دُکھ سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کی خواہش اور آرزو سے نجات حاصل کی جائے۔

۴: چوتھی سچائی وہ طریق ہے جس سے انسان خواہش یا آرزو سے نجات حاصل کر کے حقیقی آرام اور سکون حاصل کرسکتا ہے۔

بُدھ مت کے مطابق حقیقی نجات، یا حقیقی آرام وسکون کو ''نِروان'' یا ''نِروانہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے لئے آٹھ مراحل ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان ''نِروان'' حاصل کرسکتا ہے۔ یہ آٹھ مراحل درج ذیل ہیں:

۱: سچے عقائد
۲: سچے مقاصد
۳: سچی گفتگو
۴: سچا عمل
۵: سچی کمائی
۶: سچی محنت
۷: سچا علم وعقل
۸: سچی اور حقیقی سوچ وفکر

بُدھ ازم اور تناسخ:

موجودہ بُدھ مت کی تعلیمات میں تناسخ کا عقیدہ موجود ہے۔ لیکن یہ عقیدہ ھندوؤں کے تناسخ کے عقیدہ سے ذرا مختلف ہے۔ حضرتِ اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بُدھ مت کے تناسخ کے عقیدہ کو جن الفاظ میں بیان فرمایا ہے اس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔

بُدھ مت اور ہستیٔ باری تعالیٰ:

موجودہ بُدھ مت میں ہستیٔ باری تعالیٰ کا عقیدہ موجود نہیں۔ موجودہ بُدھ مت کی تعلیم کے مطابق انسان اپنی محنت اور کوشش سے ''نِروانہ'' تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن خُدا تعالیٰ کی ہستی یا خُدا تعالیٰ کی عبادت کا کوئی تصور موجودہ بُدھ ازم میں پایا نہیں جاتا۔ یہ یاد رہے کہ بُدھ مت پیروکار خُدا تعالیٰ کی ہستی کے تو قائل نہیں ہیں لیکن وہ بُدھ کی جس طرح تعظیم کرتے ہیں اُس میں اور خُدا تعالیٰ کی عبادت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ قدیم تحریرات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بُدھؑ خُدا تعالیٰ کی ہستی اور توحیدِ باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ اسکی تصدیق متعدد مغربی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں:
(Revelation, Rationality,Knowledge and Truth by Hazrat Mirza Tahir Ahmad ra; p.p. 129-150)

بُدھ مت کی تعلیمات کا جائزہ

موجودہ بُدھ مت، خُدا تعالیٰ کی ہستی کے انکار، تناسخ کے عقیدہ کے اقرار اور انسان کی ذاتی کوشش کے نتیجہ میں ''نِروان یا نِروانہ'' کے حصول کے ممکن ہونے پر مبنی ہے۔ موجودہ بُدھ مت کی تعلیم کے مطابق انسان کے دُکھوں کا سبب انسان کی خواہش ہے۔ لٰہذا دُکھوں سے نجات کے حصول کے لئے ''خواہش'' کا ترک کرنا ضروری ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر کبیر میں موجودہ بُدھ مت کی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہوئے اسلامی تعلیمات کیساتھ موازنہ فرمایا ہے۔ حضورؓ کے ارشادات درج ذیل ہیں۔ '' بُدھ مذہب کے موجودہ لٹریچر میں خُدا تعالیٰ کی تعلیم کسی معیّن صورت میں تو پائی نہیں جاتی مگر انسانِ کامل جو خُدا تعالیٰ کی مادی تصویر ہے اس کا نقشہ اسی طرح کھینچا گیا ہے کہ اس کے دل میں کوئی خواہش نہیں ہوتی سب خواہشات سے وہ آزاد ہوتا ہے حالانکہ خواہشات سے آزاد ہونا صرف تنزیہی صفت ہے اس میں کسی کمال کا اظہار نہیں............قرآن کریم ہی ایک کتاب ہے جس نے تسبیح کیساتھ تحمید پر زور دیا ہے اور خُدا تعالیٰ کو نفی کیساتھ روشناس نہیں کرایا بلکہ اس کی صفات حمد اور تقدیس پر خاص زور دیا ہے۔'' (تفسیرِ کبیر جلد اول صفحہ ۲۸۵)...... '' بُدھ مذہب نے دُعا کی قبولیت پر کوئی زور نہیں دیا۔ صرف نِروانا پر زور دیا ہے۔ یعنی اُس نے کہا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی تمام خواہشات کو نکال دے۔ حالانکہ خُدا تعالیٰ کے قرب کی خواہش بھی تو ایک خواہش ہی ہے۔ اگر وہ سب خواہشات کو نکالے گا تو یہ خواہش کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ پس بُدھ نے متضاد بات کہی ہے۔ لیکن اسلام کہتا

ہے کہ خُدا تعالیٰ کے وصال کے لئے کسی لمبے چوڑے مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے اور وہ ہمہ تن التجا بن کر دُعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے قرب سے نوازے اور اس کے لئے اپنی برکتوں کے دروازے کھولے تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنا قرب عطا کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ (بقرۃ آیت 187) جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی دُعا کو ضرور قبول کرتا ہوں۔ اب کُجا یہ طریق کہ بُدھ بانس کے درخت کے نیچے ساٹھ سال بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کے نیچے سے ایک درخت نکلا جو اُس کے سر کے پار ہو گیا۔ اور کُجا یہ آسان طریق کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور وہ جھٹ مِل گیا۔" (تفسیر کبیر۔ جلد ہفتم صفحہ 694)

........یہ عقیدہ کہ انسان بُری فطرت لیکر دُنیا میں آیا ہے اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب کا عقیدہ ہے.............بُدھوں کے نزدیک ہر انسان بُری فطرت لیکر آیا ہے اور باقی عقائد بھی ایسے ہیں کہ اگر اُن میں انسان کی کوئی خوبی تسلیم بھی کی جاتی ہے تو بُرے معنوں میں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ انسان حالات سے مجبور ہوتا ہے۔ اگر اس کے لئے اچھا ماحول میسر آ جائے تو وہ اچھا ہو جاتا ہے اور اگر بُرا ماحول میسر آ جائے تو وہ بُرا ہو جاتا ہے۔ اِس عقیدہ میں گو انسان کی نیکی کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کوئی نیکی نہیں اگر کوئی شخص جبراً نیکی کرتا ہے تو اُسکی نیکی حقیقی نیکی نہیں کہلا سکتی۔ حقیقی نیکی وہی ہوتی ہے جس میں جبر اور اکراہ کا کوئی پہلو نہ ہو۔ بہر حال قریباً سب مذاہب سوائے اسلام کے اس بات کے قائل ہیں کہ انسان بُری فطرت لیکر آیا ہے مگر یہ سب عقائد باطل اور نا قابلِ قبول ہیں۔ فلسفیانہ طور پر یہ عقیدہ کہ انسان بُرائی کے میلان کو لیکر پیدا ہوا ہے بُدھوں کا ہے۔ اُن کے نزدیک انسان کی فطرت بُری ہے اور جب بُری ہے تو انسان کے اندر جو خواہش بھی پیدا ہوتی ہے وہ بُری ہے۔ اِس لئے اُن کا عقیدہ ہے کہ نجاتِ کامل حاصل کرنے کیلئے خواہش کو مارنا چاہیئے۔ جب تک ہم اپنی خواہشات کو مارتے نہیں اُسوقت تک کامل نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ مگر یہ بات عقلاً باطل ہے اِس لئے کہ خواہشات کس چیز کا نام ہے؟ خواہشات نام ہے کھانے پینے کا۔ شادی کرنے کا۔ ایک دوسرے سے ملنے جُلنے اور تعلقات قائم کرنے کا۔ روزی کمانے کا۔ علم پڑھنے کا۔ عبادت وغیرہ کرنیکا۔ یہی خواہشات ہیں جو انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ لیکن جب ہم بُدھ مذہب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شادی سے صرف بھکشو کو روکتا ہے حالانکہ نجات تو سب دُنیا کو دینا چاہتا ہے۔ اب اگر نجات خواہش مٹانے کا نام ہے تو جو بُدھ مذہب

والا ارادہ کریگا کہ میں نکاح کروں اُس کی نجات کس طرح ہوگی۔ آخر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جس طرح ناک انسان کو بغیر کسی ارادہ کے مِل گیا ہے، جس طرح کان انسان کو بغیر کسی ارادہ کے مِل گئے ہیں، جس طرح زبان انسان کو بغیر کسی ارادہ کے مِل گئی ہے اُسی طرح بیوی بھی بغیر کسی ارادہ کے مِل جائے۔ نہ ماں باپ کو علم کہ فلاں ہماری بہو بننے والی ہے نہ خاوند کو علم ہو کہ فلاں میری بیوی بننے والی ہے اور بغیر ارادہ اور خواہش کے ہی ماں باپ کو بہو اور خاوند کو بیوی مِل جائے۔ لازماً انسان کو بیوی کیلئے خواہش کرنی پڑے گی۔ اور جب وہ خواہش کرے گا تو بُدھ مذہب کے رُو سے وہ نجات سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اُسے نزدیک خواہشات کو مارنا ہی انسانی نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ کوئی مرد اور عورت شادی نہ کرے تب تو یہ بات ایک حد تک تسلیم بھی کی جا سکتی تھی مگر بُدھ مذہب شادی سے صرف بھکشو کو روکتا ہے ہر شخص کو نہیں روکتا حالانکہ وہ دوسروں کیلئے بھی نجات کو جائز قرار دیتا ہے۔ اگر نجات کا حصول اُن کیلئے جائز قرار نہ دیتا تو بھکشوؤں کے سوا وہ اوروں کو اپنے مذہب میں داخل کیوں کرتا؟ اُس کا بھکشوؤں کے سوا اور لوگوں کو بھی اپنے مذہب میں داخل کرنا صاف طور پر بتا رہا ہے کہ بدھ مذہب ہر شخص کی نجات کا قائل ہے اور جب بھکشوؤں کے سوا وہ دوسروں کو شادی کی اجازت دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بُدھ مذہب کے رُو سے شادی کا ارادہ انسان کو نجات سے محروم نہیں کرتا۔ اب اس عقیدہ کے ماتحت کہ خواہش انسان کو نجات سے محروم کر دیتی ہے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ شادی کے معاملہ میں بُدھ مذہب کیا تعلیم دے سکتا ہے۔ کیا یہ کہے گا کہ شادی نہ کرو؟ یہ تو وہ کرتا نہیں۔ کیونکہ بھکشوؤں کے سوا وہ اور کسی کو شادی سے نہیں روکتا۔ پھر خواہش کو کس طرح مارا جائیگا۔ انسان خواہش کرتا ہے کہ شادی کرے اِس سے بُدھ مذہب نے نہیں روکا۔ اب کیا ہم یہ سمجھیں کہ شادی کے بارہ میں محض شادی کی خواہش کو تو وہ خواہش قرار نہیں دیتا لیکن اور کسی کو خواہش کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر یہ بات ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی کیساتھ محض شادی کی خواہش کا ہی تعلق نہیں ہوتا بلکہ اور بھی کئی قسم کی خواہشات شادی سے وابستہ ہوتی ہیں اُن کا بُدھ مذہب نے کیا علاج کیا ہے۔ مثلاً انسان چاہتا ہے کہ نیک عورت سے شادی کرے۔ کیا بُدھ مذہب یہ کہیگا کہ ایسی خواہش مت کرو۔ کیا اس خواہش کو مارا جائیگا؟ اور اسے حکم دیا جائیگا کہ بد اور شریر عورت سے شادی کرو؟ انسان خوبصورت عورت چاہتا ہے، کیا اُسے کہا جائیگا کہ خوبصورت عورت کی خواہش نہ کرو، بدصورت عورت سے شادی کرو؟ انسان تعلیم یافتہ عورت چاہتا ہے بُدھ مذہب کہتا ہے کہ تُم اپنی خواہشات کو مٹا دو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بُدھ

مذہب اُسے یہ کہے گا کہ جاہل عورت سے نکاح کرو؟ انسان چاہتا ہے کہ بچے جننے والی عورت مجھے حاصل ہو۔ کیا بُدھ مذہب کے ماتحت اُسے یہ تعلیم دی جائیگی کہ بچے جننے والی عورت سے شادی نہ کرو بلکہ بانجھ سے کرو؟ انسان چاہتا ہے کہ اُس کے بچے پڑھے لکھیں۔ کیا بُدھ مذہب اُسے کہے گا کہ چونکہ خواہش بُری چیز ہے اس لئے تُم یہ خواہش نہ کرو کہ تمہارے بچے پڑھے لکھیں بلکہ اُنھیں جاہل رہنے دو؟ انسان چاہتا ہے کہ اُس کے ہاں نیک اولاد ہو۔ کیا اُسے کہا جائیگا کہ بد اولاد چاہو؟ انسان چاہتا ہے کہ اُسے کوئی اچھا کام مل جائے اچھی ملازمت میسر آجائے یا اچھی تجارت شروع کر دے۔ بُدھ مذہب اُسے کیا کہے گا؟ کیا یہ کہے گا کہ اچھی تجارت کی خواہش نہ کرو بلکہ گھاٹے والی تجارت کی خواہش کرو یا اچھی ملازمت تلاش نہ کرو بلکہ بُری ملازمت تلاش کرو؟ یا اچھی فصل کی خواہش نہ کرو بلکہ تباہ ہونے والی فصل چاہو؟ انسان صحت چاہتا ہے۔ بُدھ مذہب کہتا ہے خواہش بُری چیز ہے۔ ایسی حالت میں جب انسان کہے گا کہ مجھے صحت کی خواہش ہے تو بُدھ مذہب کہے گا صحت کی خواہش کر کے تم گناہ گار بن گئے ہو۔ تمھیں تو چاہیئے کہ بیماری کی خواہش کرو۔ انسان اپنے ہمسائے سے صلح چاہتا ہے، اپنے مُلک میں امن چاہتا ہے۔ کیا بُدھ مذہب کیطرف سے اُسے کہا جائیگا کہ اپنے ہمسائے سے ہمیشہ لڑائی رکھو؟ اور مُلک میں فساد برپا کرتے رہو؟ انسان اچھی حکومت کا تقاضا کرتا ہے۔ کیا اُسے کہا جائیگا کہ بُری حکومت چاہو؟ انسان چاہتا ہے اُسے خُدا کی رضا حاصل ہو، جب بُدھ مذہب خواہش کو بُرا قرار دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ انسان کو ہمیشہ یہ خواہش رکھنی چاہیئے کہ خُدا مجھ سے ناراض رہے۔ ایک بُدھ مذہب والا چاہتا ہے کہ اُس کا مذہب پھیل جائے مگر جونہی اُس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگی وہ نجات سے محروم ہو جائے گا۔ جب ایک شخص بھکشو بننے کیلئے آتا ہے تو آخر اِسی لئے کہ وہ چاہتا ہے مجھے نجات مل جائے حالانکہ بھکشو بنتے ہی اُس کی نجات ماری جاتی ہے کیونکہ اُس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ میں اور لوگوں کو بھی اس مذہب میں داخل کروں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کو بھکشو بنانے کا ارادہ کر کے خُود بُدھ کی نجات بھی ماری گئی کیونکہ اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی تھی کہ میں لوگوں کو بھکشو بناوں پھر اگر بُدھ مذہب کے لوگ اپنے مُلک کی آزادی چاہتے ہیں تو اِس تعلیم کے ماتحت اُنھیں کیا کہا جائے گا؟ کیا یہ کہا جائے گا کہ آزادی کی خواہش نہ کرو۔ اگر تمہارے مُلک پر کوئی قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اُسے بیشک کرنے دو ورنہ نجات سے محروم ہو جاؤ گے۔ اگر بُدھ مذہب والے کہیں کہ یہ تو جائز اور اچھی خواہشات ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ تُم بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہو کہ خواہشات اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اچھی خواہشات کے پیچھے چلے اور بُری خواہشات کو جامۂ عمل پہنانے کی کوشش نہ کرے۔ پس تمہارا یہ کہنا کہ چُونکہ انسان میں خواہشات پائی جاتی ہیں اِس لئے وہ پیدائشی طور پر بُرا ہے بالکل غلط ہوا۔ تم نے خود تسلیم کر لیا کہ خواہشات اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی۔ بُری خواہشات کو مٹانا اور اچھی خواہشات کو قائم کرنا ہمارا فرض ہے اور یہی وہ نقطہ نگاہ ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ پس ہمارا اور تمہارا اتحاد ہو گیا۔

ایک بُدھ مذہب والا ہماری اس تنقید پر یہ کہہ سکتا ہے کہ تم ہمارے مذہب کو غلط طور پر پیش کرتے ہو۔ جب تم کہتے ہو کہ ہمارا مطلب یہ ہے آزادی کی خواہش نہ کی جائے بلکہ غلامی کی خواہش کی جائے۔ صحت کی خواہش نہ کی جائے بلکہ بیماری کی خواہش کی جائے۔ خوبصورت بیوی کی خواہش نہ کی جائے بلکہ بدصورت بیوی کی خواہش کی جائے۔ علم کی خواہش نہ کی جائے بلکہ جہالت کی خواہش کی جائے تو تم بالمقابل کی خواہشات ہماری طرف منسوب کر دیتے ہو۔ حالانکہ ہمارا نظریہ تو یہ ہے کہ خواہشات ہر حالت میں بُری ہیں خواہ وہ اچھی چیزوں کی ہوں یا بُری چیزوں کی ہوں ہم خواہش کو مٹانا چاہتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ اچھی خواہش نہ کرو بُری خواہش کرو بلکہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ نہ اچھی خواہش کی جائے نہ بُری کیونکہ اسی میں انسان کی نجات ہے۔ اِسکا جواب یہ ہے کہ اچھا ہم مان لیتے ہیں تمہارا یہی مقصد ہے، تم یہی کہتے ہو کہ نہ یہ چاہو نہ وہ چاہو مگر سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں انسان کام کس طرح کریگا؟ باپ اُس سے شادی کے متعلق پوچھے گا تو وہ کہے گا نہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں نہ کنوارہ رہنا چاہتا ہوں۔ ایک شادی شدہ بُدھ اپنے گھر میں جاتا ہے بیوی اُس سے کہتی ہے کہ کھانا تیار ہے آؤ اور کھالو۔ وہ جواب دیگا نہ میں کھانا چاہتا ہوں نہ بھوکا رہنا چاہتا ہوں۔ غرض یہ عقیدہ اگر درست تسلیم کر لیا جائے تو بُدھوں کو قدم قدم پر نہایت سخت مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ فرض کرو کسی مجلس میں بُدھ مذہب کا کوئی پیرو آجائے تو وہ حیران ہوگا کہ میں اس مجلس میں بیٹھوں یا چلا جاؤں۔ اگر وہ بیٹھے گا تو یہ بھی خواہش کا نتیجہ ہوگا اور اگر وہ چلا جائے گا تو یہ بھی خواہش کا نتیجہ ہوگا۔ غرض ایک بُدھ ایسے چکر میں پھنس جاتا ہے کہ اُس کے لئے اُٹھک بیٹھک کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔

(تفسیر کبیر۔ جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 180 تا 182)

حضرت مسیح موعودؑ کے بُدھ مت کے بارہ میں ارشادات:

سیدنا حضرت مسیح موعود و امام الزمان علیہ السلام نے بُدھ مت اور اسکی تعلیمات، نیز حضرت بُدھ کے بارہ میں بُدھ مت کے ماننے والوں کے بیانات پر مختلف کُتب میں تبصرہ فرمایا ہے۔ حضورؑ کے بعض اشادات درج ذیل ہیں بُدھ

مذہب کے ماننے والوں کا بیان ہے کہ بُدھ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر گھر سے نکل گئے۔اس کے بارہ میں حضورؑ اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے اس عقیدہ کا بطلان یوں فرماتے ہیں:۔

''بُدھ مذہب دراصل سناتن دھرم کی ہی شاخ ہے۔بُدھ نے جو اوائل میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔اور قطع تعلق کر لیا۔شریعت اسلام نے اس کو جائز نہیں رکھا۔اسلام نے خُدا تعالیٰ کیطرف توجہ کرنے اور مخلوق سے تعلق رکھنے میں کوئی تناقض بیان نہیں کیا۔بُدھ نے اول ہی قدم پر غلطی کھائی ہے۔''

(ملفوظات۔جلد سوئم صفحہ 312)

بُدھ مذہب کے تناسخ کے عقیدہ کے بارہ میں حضورؑ فرماتے ہیں:۔

''بُدھ تناسخ کا قائل ہے مگر اس کا تناسخ انجیل کی تعلیم سے مخالف نہیں ہے۔اسکے نزدیک تناسخ تین قسم پر ہے۔(۱) اول یہ کہ ایک مرنے والے شخص کی عقدِ ہمت اعمال کا نتیجہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک اور جسم پیدا ہو۔

(۲) دُوسری وہ قسم جس کو تبت والوں نے اپنے لاموں میں مانا ہے۔یعنی یہ کہ کسی بُدھ یا بُدھ ستوا کی روح کا کوئی حصہ موجودہ لاموں میں حلول کر آتا ہے یعنی اسکی قوت اور طبیعت اور روحانی خاصیت موجودہ لامہ میں آجاتی ہے اور اسکی روح میں اثر کرنے لگتی ہے۔ (تبت کے بُدھ ازم کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ وفات شدہ دالائی لامہ یا پنچن لامہ، یعنی مذہبی لیڈر کی روح کسی بچہ میں عود کر آتی ہے۔حضورؑ اسکی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔)

۳۔تیسری قسم تناسخ کی یہ ہے کہ اسی زندگی میں طرح طرح کی پیدائشوں میں انسان گذرتا چلا جاتا ہے۔یہاں تک کہ درحقیقت اپنے ذاتی خواص کے لحاظ سے انسان بن جاتا ہے۔ایک زمانہ انسان پر وہ آتا ہے کہ گویا وہ بیل ہوتا ہے اور پھر زیادہ حرص اور کچھ شرارت بڑھتی ہے تو کُتا بن جاتا ہے اور ایک ہستی پر موت آتی ہے اور دوسری ہستی پہلی ہستی کے اعمال کے موافق پیدا ہو جاتی ہے۔لیکن یہ سب تغیرات اسی زندگی میں ہوتے ہیں۔(''مسیح ہندوستان میں'' روحانی خزائن جلد۱۵ صفحہ ۹۰ تا۹۱)

حضورؑ بُدھ مت کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''بُدھ شیطان کا بھی قائل ہے۔ایسا ہی دوزخ اور بہشت اور ملائک اور قیامت کو بھی مانتا ہے اور یہ الزام جو بُدھ خُدا کا منکر ہے یہ محض افتراء ہے۔بلکہ بُدھ دیانت کا منکر ہے اور اُن جسمانی خُداؤں کا منکر ہے جو ہندو مذہب میں بنائے گئے تھے۔ہاں وہ وید پر بہت نکتہ چینی کرتا ہے اور موجودہ وید کو صحیح نہیں مانتا اور اس کو ایک بگڑی ہوئی اور محرّف اور مبدّل کتاب خیال کرتا ہے اور جس زمانہ میں وہ ہندو اور وید کا تابع تھا اُس زمانہ کی پیدائش کو ایک بُری پیدائش قرار دیتا ہے۔چنانچہ وہ اشارات کے طور پر کہتا ہے کہ میں ایک مدت تک بندر بھی رہا۔اور ایک زمانہ تک ہاتھی اور پھر میں ہرن بھی بنا اور کُتا بھی اور چار دفعہ میں سانپ بنا۔اور چڑیا بھی بنا اور مینڈک بھی بنا اور دو دفعہ مچھلی بنا اور دس دفعہ شیر بنا۔اور چار دفعہ مُرغا بنا۔اور دو دفعہ سُور بنا اور ایک دفعہ خرگوش بنا اور خرگوش بننے کے زمانہ میں بندروں اور گیدڑوں اور پانی کے کُتوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔اور پھر کہتا ہے کہ ایک دفعہ میں بھوت بنا اور ایک دفعہ عورت بنا اور ایک دفعہ ناچنے والا شیطان بنا۔یہ تمام اشارات اُس اپنی تمام زندگی کی طرف کرتا ہے جو بُزدلی اور زنانہ خصلت اور ناپاکی اور درندگی اور وحشیانہ حالت اور عیاشی اور شکم پرستی اور توہمات سے بھری ہوئی تھی۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ اس زمانہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ وہ وید کا پیرو تھا۔کیونکہ وہ وید کے ترک کرنے کے بعد کبھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتا کہ پھر بھی کوئی حصّہ گندی زندگی کا اُس کے اندر رہا تھا بلکہ اس کے بعد اُس نے بڑے بڑے دعوے کئے اور کہا کہ وہ خُدا کا مظہر ہو گیا اور نِروان کو پا گیا۔اور بُدھ نے یہ بھی کہا ہے کہ جب انسان دوزخ کے اعمال لیکر دُنیا سے جاتا ہے تو وہ دوزخ میں ڈالا جاتا ہے اور دوزخ کے سپاہی اُس کو کھینچ کر دوزخ کے بادشاہ کیطرف اُس کو لیجاتے ہیں اور اُس بادشاہ کا نام یمہ ہے اور پھر اُس دوزخی سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تُو نے اِن پانچ رسولوں کو نہیں دیکھا تھا جو تیرے آگاہ کرنے کیلئے بھیجے گئے تھے اور وہ یہ ہیں۔بچپن کا زمانہ۔بڑھاپے کا زمانہ۔بیماری۔مجرم ہو کر دُنیا میں ہی سزا پالینا جو آخرت کی سزا پر ایک دلیل ہے۔مُردوں کی لاشیں جو دُنیا کی بے ثباتی ظاہر کرتی ہیں۔مجرم جواب دیتا ہے کہ جناب میں نے اپنی بیوقوفی کے سبب ان تمام باتوں پر کچھ بھی غور نہ کی۔تب دوزخ کے موکل اس کو کھینچ کر عذاب کے مقام پر لیجائیں گے اور لوہے کی زنجیروں کیساتھ جو آگ سے اس قدر گرم کئے ہوئے ہونگے کہ آگ کیطرح سُرخ ہونگے باندھ دیئے جائیں گے اور نیز بُدھ کہتا ہے کہ دوزخ میں کئی طبقے ہیں جن میں مختلف قسم کے گنہگار ڈالے جائینگے۔غرض یہ تمام تعلیمیں باآواز بلند پکار رہی ہیں کہ بُدھ مذہب نے حضرت مسیح کے فیض صحبت سے کچھ حاصل کیا ہے۔''(مسیح ہندوستان میں۔روحانی خزائن جلد نمبر۱۵۔صفحہ۹۱۔۹۲)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت بُدھ اور حضرت مسیح کے درمیان پائی جانے والی بعض مشابہتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔اس بارہ میں مندرجہ بالا بیان میں بعض ارشادات بھی موجود ہیں۔حضورؑ نے اس بارہ میں جو مزید تشریح فرمائی ہے وہ درج ذیل ہے:۔'' تواریخ سے اس بات کا بھی پتہ ملتا ہے کہ بعض

یہودی اس ملک میں آکر اپنی قدیم عادت کے موافق بُدھ مذہب میں بھی داخل ہو گئے تھے۔ چنانچہ حال میں جو ایک مضمون سول ملٹری گزٹ پرچہ تاریخ ۲۳ نومبر ۱۸۹۸ میں چھپا ہے اُس میں ایک محقق انگریز نے اس بات کا اقرار بھی کیا ہے اور اس بات کو بھی مان لیا ہے کہ بعض جماعتیں یہودیوں کی اس ملک میں آئی تھیں اور اس ملک میں سکونت پزیر ہو گئی تھیں اور اُسی پرچہ سول میں لکھا ہے کہ ''دراصل افغان بھی بنی اسرائیل میں سے ہیں۔'' غرض جبکہ بعض بنی اسرائیل بُدھ مذہب میں داخل ہو گئے تھے تو ضرور تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس ملک میں آکر بُدھ مذہب کی رُوکیطرف متوجہ ہوتے اور اس مذہب کے پیشواؤں کو ملتے۔ سو ایسا ہی وقوع میں آیا۔'' (رازِ حقیقت۔ روحانی خزائن جلد نمبر ۱۴۔ صفحہ ۱۶۲)

''اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو بُدھ مذہب کی کتابوں سے ہم کو ملی ہیں ایک یہ ہے کہ ''بُدھ ازم'' مصنفہ سر مونیر ولیم صفحہ ۴۵ میں لکھا ہے کہ چھٹا مُرید بُدھ کا ایک شخص تھا۔ جس کا نام یسا تھا۔ یہ لفظ یسوع کے لفظ کا مخفف معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام بُدھ کی وفات سے پانسو برس گزرنے کے بعد یعنی چھٹی صدی میں پیدا ہوئے تھے اس لئے چھٹا مُرید کہلائے۔''

(مسیح ہندوستان میں۔ روحانی خزائن۔ جلد ۱۵۔ صفحہ ۸۵)

''اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو بُدھ مذہب کی کتابوں سے ہم کو ملی ہیں وہ شہادت ہے جو کتاب ''بُدھ ازم'' مصنفہ اولڈن برگ صفحہ ۴۱۹ میں درج ہے۔ اس کتاب میں بحوالہ کتاب ''مہاواگا'' صفحہ ۵۴ فصل نمبر ا کے لکھا ہے کہ بُدھ کا ایک جانشین راحولتا نام بھی گزرا ہے کہ جو اس کا جان نثار شاگرد بلکہ بیٹا تھا۔ اب اس جگہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ یہ راحولتا جو بُدھ مذہب کی کتابوں میں آیا ہے یہ رُوح اللہ کے نام کا بگاڑا ہوا ہے جو حضرت عیسیٰ کا نام ہے۔ اور یہ قصہ کہ یہ راحولتا بُدھ کا بیٹا تھا جسکو وہ شیر خوارگی کی حالت میں چھوڑ کر پردیس میں چلا گیا تھا اور نیز اپنی بیوی کو سوتی ہوئی چھوڑ کر بغیر اُس کیا اطلاع اور مُلاقات کے ہمیشہ کی جُدائی کی نیت سے کسی اور ملک میں بھاگ گیا تھا۔ یہ قصہ بالکل بیہودہ اور لغو اور بُدھ کی شان کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔.............ہم ایسے قصے جو عام اخلاقی حالت سے بھی گرے ہوئے ہیں نہ مسیح کیطرف منسوب کر سکتے ہیں اور نہ گوتم بُدھ کیطرف.............یہ قصہ غلط ہے اور درحقیقت راحولتا سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں جن کا نام روح اللہ ہے۔ اور رُوح اللہ کا لفظ عبرانی زبان میں راحولتا سے بہت مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور راحولتا یعنی رُوح اللہ کو بُدھ کا شاگرد اسی وجہ سے قرار دیا گیا ہے جس کا ذکر ابھی ہم کر چکے ہیں۔ یعنی مسیح جو بعد میں آکر بُدھ کے مشابہ تعلیم لایا۔ اِس لئے بُدھ مذہب کے لوگوں نے اس تعلیم کا اصل منبع بُدھ کو قرار دیکر مسیح کو اس کا شاگرد قرار دیدیا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ بُدھ نے خُدا تعالیٰ سے الہام پاکر حضرت مسیح کو اپنا بیٹا بھی قرار دیا ہو۔ اور ایک بڑا قرینہ اس جگہ یہ ہے کہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ جب راحولتا کو اس کی والدہ سے علیحدہ کیا گیا تو ایک عورت جو بُدھ کی مُرید تھی جس کا نام مگدالیانا تھا اس کام کے لئے درمیان میں ایلچی بنی تھی۔ اب دیکھو مگدالیانا کا نام درحقیقت مگدلینی سے بگاڑا ہوا ہے اور مگدلینی ایک عورت حضرت عیسیٰ کی مُرید تھی جس کا ذکر انجیل میں موجود ہے۔'' (مسیح ہندوستان میں۔ روحانی خزائن۔ جلد نمبر ۱۵۔ صفحہ ۸۹۔ ۸۸)

''عیسائی مذہب کو مغرب کا بُدھ مذہب کہہ سکتے ہیں۔ دیکھو کس قدر عجیب بات ہے کہ جیسے مسیح نے کہا کہ میں نور ہوں، میں راہِ ہدایت ہوں یہی بُدھ نے بھی کہا ہے۔ اور انجیلوں میں مسیح کا نام نجات دہندہ ہے بُدھ نے بھی اپنا نام منجی ظاہر کیا ہے۔ دیکھو للتاوستر اور انجیل میں مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے بیان کی گئی ہے ایسا ہی بُدھ کے سوانح میں ہے کہ دراصل وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا۔ گو بظاہر حضرت مسیح کے باپ یوسف کی طرح اُس کا بھی باپ تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ بُدھ کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ نکلا تھا اور سلیمان کا قصہ جو اس نے حکم دیا تھا کہ اس بچے کو آدھا آدھا کر کے ان دونوں عورتوں کو دو لے لیں۔ یہ قصہ بُدھ کی جاتکا میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس سے سمجھ آتا ہے کہ علاوہ اس کے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس ملک میں تشریف لائے اس ملک کے یہود جو اس ملک میں آ گئے تھے اُن کے تعلقات بھی بُدھ مذہب سے ہو گئے تھے اور بُدھ مذہب کی کتابوں میں جو طریق پیدائشِ دُنیا لکھا ہے وہ بھی توریت کے بیان سے بہت ملتا ہے۔ اور جیسا کہ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت ہے۔ ایسا ہی بُدھ مذہب کی رُو سے ایک جوگی مرد ایک جوگی عورت سے درجہ میں زیادہ سمجھا جاتا ہے۔'' (مسیح ہندوستان میں۔ روحانی خزائن۔ جلد نمبر ۱۵۔ صفحہ ۹۰)

سود

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے

''سود کی بابت پوچھا گیا کہ بعض مجبوریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ فرمایا کہ: اس کا فتویٰ ہم نہیں دے سکتے۔ یہ بہرحال ناجائز ہے۔ ایک طرح کا سود اسلام میں جائز ہے۔ کہ قرض دیتے وقت کوئی شرط وغیرہ کسی قسم کی نہ ہو اور مقروض جب قرضہ ادا کرے تو مروّت کے طور پر اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے دیوے۔ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کیا کرتے۔ اگر دس روپے قرض لیے تو ادائیگی کے وقت ایک سو تک دے دیا کرتے۔ سود حرام وہی ہے جس میں عہد، معاہدہ اور شرائط اوّل ہی کر لی جاویں۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 94)

فتح اسلام کا تعارف

نسیم احمد باجوہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے دعویٰ مسیح موعود کے بعد سب سے پہلی کتاب فتح اسلام 1891ء میں تحریر ارشاد فرمائی۔ اس وقت کے حالات کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ پنجاب کے ایک لفٹیننٹ گورنر چارلس ایچیسن نے 1888ء میں عیسائی مشنریوں کے اجلاس میں کہا ''جس رفتار سے ہندوستان کی معمولی آبادی میں اضافہ ہورہا ہے اس سے چار پانچ گنا زیادہ تیز رفتار سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے اور اس وقت ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔'' (دی مشنز صفحہ 245)

اسی طرح لارڈ لارنس نے ایک موقع پر کہا ''کوئی چیز ہماری سلطنت کے استحکام کا اس امر سے زیادہ موجب نہیں ہوسکتی کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں۔'' (لارڈ لارنس لائف جلد 2، صفحہ 313)

کیمبرج شارٹ ہسٹری آف انڈیا مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس کے مصنف نے لکھا ''خدا تعالیٰ نے اپنی حیثیت کے مطابق ہندوستان کو برطانیہ کے ہاتھ میں اس لئے دیا کہ اس ملک کے لوگ عیسائی بنائے جاسکیں۔'' (صفحہ 715-716)

مذہبی معتقدات کے لحظ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کیلئے پادریوں کے پاس سب سے بڑا حربہ یہ تھا کہ یسوع مسیح آسمان پر زندہ موجود ہے اور وہی دنیا کی رستگاری اور نجات کیلئے آخری زمانہ میں جلالی شان کیساتھ نازل ہوگا اور تمام انبیاء بشمول محمد ﷺ وفات پاچکے ہیں اور کسی کی مدد نہیں کرسکتے۔ پس زندہ کو چھوڑ کر مُردوں کے پیچھے لگنا عقلمندی نہیں ہے۔

وفاتِ مسیح کا اعلان اور مخالفت کا آغاز

مندرجہ بالا حالات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ ''مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے۔ **وکان وعد اللّٰہ مفعولا**

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3، صفحہ 402)

ازالہ اوہام سے قبل آپ نے کتاب فتح اسلام تحریر فرمائی اور اس میں وفاتِ مسیح کا اعلان کرنے کے بعد اپنے دعویٰ کے متعلق فرمایا ''مسیح جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرلو جس کسی کے کان سننے کے ہوں سُنے یہ خُدا کا کام ہے اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔'' (فتح اسلام صفحہ 10 حاشیہ)

وفاتِ مسیح اور مسیح موعود ہونے کے دعوے کے اعلان کے بعد ظاہر پرست مولویوں نے آپ پر کُفر کا فتویٰ لگایا اور مولوی محمد حُسین بٹالوی نے سارے ہندوستان میں پھر کر اور پھر مکّہ و مدینہ سے بھی اس فتویٰ پر دستخط کرائے جس کے نتیجہ میں مخالفت کی زبردست آگ بھڑک اٹھی۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بشارت دیدی تھی کہ ایک طرف مخالفت ہوگی اور دوسری طرف خُدا تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپ کی تائید و نصرت فرمائے گا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک الہام کا حوالہ دیکر تحریر فرمایا

''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خُدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی کو ظاہر کر دیگا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان حملوں کے دن نزدیک ہیں مگر یہ حملے تیغ و تبر سے نہیں ہونگے اور تلواروں اور بندوقوں کی حاجت نہیں پڑے گی۔ بلکہ روحانی اسلحہ کیساتھ خُدا تعالیٰ کی مدد اُترے گی اور یہودیوں کے سخت لڑائی ہوگی وہ کون ہیں؟ اس زمانہ کے ظاہر پرست لوگ جنہوں نے بالاتفاق یہودیوں کے قدم پر قدم رکھا ہے۔ ان سب کو آسمانی سیف اللہ دو ٹکڑے کر دیگی اور یہودیت کی خصلت مٹادی جائیگی۔''

(صفحہ 9)

فتح اسلام کی بشارت اور قربانیوں کا مطالبہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک طرف تو اسلام کی کامیابی کی بشارت عطا فرمائی اور دوسری طرف قربانیوں کی ضرورت و اہمیت بھی بیان فرمائی۔ چنانچہ فرمایا ''سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کیلئے پھر تازگی اور روشنی کا دن آئیگا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کیساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں ہے ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روک رکھے جب تک کے محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خُون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کیلئے نہ کھودیں اور اعزاز اسلام کیلئے ساری ذلتیں قبول نہ کرلیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خُدا کی تجلّی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے اسی اسلام کا زندہ کرنا اب خدا چاہتا ہے۔'' (فتح اسلام صفحہ 10)

الٰہی کارخانے کی پانچ شاخیں

فتح اسلام کی کاروائی کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی راہنمائی فرمائی کہ آپ اس کام کیلئے پانچ شاخیں قائم کریں۔ان پانچ شاخوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

''ایک شاخ تالیف وتصنیف کا سلسلہ ہے جس کا اہتمام اس عاجز کے سپرد کیا گیا اور وہ معارف ودقائق سکھلائے گئے جو انسان کی طاقت سے نہیں بلکہ صرف خُدا تعالیٰ کی طاقت سے معلوم ہوسکتے ہیں اور انسانی تکلف سے نہیں بلکہ روح القدس کی تعلیم سے مشکلات حل کر دئے گئے۔

دوسری شاخ اس کارخانے کی اشتہارات جاری کرنے کا سلسلہ ہے جو بحکم الٰہی اتمام حُجت کے غرض سے جاری ہے اور اب تک بیس ہزار سے کچھ زیادہ اشتہارات اسلامی حجتوں کو غیر قوموں پر پورا کرنے کیلئے شائع ہو چکے ہیں اور آئندہ ضرورت کے وقتوں میں ہمیشہ ہوتے رہیں گے۔

تیسری شاخ اس کارخانے کی مراد دین وصادرین اور حق کی تلاش کیلئے سفر کرنے والے اور دیگر اغراض متفرقہ سے آنے والے ہیں جو اس آسمانی کارخانہ کی خبر پا کر اپنی اپنی نیتوں کی تحریک سے ملاقات کیلئے آتے رہتے ہیں۔یہ شاخ بھی برابر نشونما میں ہے۔اگرچہ بعض دنوں میں نہایت سرگرمی سے اس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔چنانچہ ان سات برسوں میں ساٹھ ہزار سے کچھ زیادہ مہمان آئیں ہونگے اور جس قدر ان میں سے مستعد لوگوں کو تقریری ذریعوں سے روحانی فائدہ پہنچایا گیا اور ان کے مشکلات حل کر دئے گئے اور ان کی کمزوری کو دور کر دیا گیا اس کا علم خُدا تعالیٰ کو ہے۔

چوتھی شاخ اس کارخانے کی وہ مکتوبات ہیں جو حق کے طالبوں یا مخالفوں کیطرف لکھے جاتے ہیں۔چنانچہ ابتک عرصہ مذکورہ بالا میں نوے ہزار سے بھی کچھ زیادہ خط آئے ہونگے جن کا جواب لکھا گیا بجز بعض خطوط کے جو فضول یا غیر ضروری سمجھے گئے اور یہ سلسلہ بھی بدستور جاری ہے اور ہر ایک مہینے میں غالباً تین سو سے سات سو یا ہزار تک خطوط کی آمد ورفت کی نوبت پہنچتی ہے۔

پانچویں شاخ اس کارخانہ کی جو خُدا تعالیٰ نے اپنی خاص وحی اور الہام سے قائم کی مریدوں اور بیعت کرنے والوں کا سلسلہ ہے۔چنانچہ اس نے اس سلسلہ کے قائم کرنے کے وقت مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفان ضلالت برپا ہے تو اس طوفان کے وقت میں یہ کشتی تیار کر جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے نجات پا جائیگا اور جو انکار میں رہے گا اس کیلئے موت درپیش ہے۔اور فرمایا کہ جو شخص تیرے ہاتھ میں ہاتھ دیگا اس نے تیرے ہاتھ میں نہیں بلکہ خُدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔اور اس خداوند نے مجھے بشارت دی کہ میں تجھے وفات دونگا اور اپنی طرف اُٹھا لونگا مگر تیرے سچے متبعین اور محبین قیامت کے دن تک رہیں گے اور ہمیشہ منکرین پر انہیں غلبہ رہے گا۔'' (فتح اسلام صفحہ 12 تا 25)

متفرق اشتہارات

کتب مسیح موعود علیہ السلام کو پڑھنے اور پھیلانے کے متعلق فرمایا

'' ہمارا مدعا یہ ہونا چاہئیے کہ ہماری دینی تالیفات جو جواہرات تحقیق اور تدقیق سے پُر اور حق کے طالبوں کو راہِ راست پر کھینچنے والی ہیں جلدی سے اور نیز کثرت سے ایسے لوگوں کو پہنچ جائیں جو بُری تعلیموں سے متاثر ہو کر مہلک بیماریوں میں گرفتار یا قریب قریب موت کے پہنچ گئے ہیں۔اور ہر وقت یہ امر ہمارے مدنظر رہنا چاہئیے کہ جس ملک کی موجودہ حالت ضلالت کے سمِ قاتل سے نہایت خطرہ میں پڑ گئی ہو بلا توقف ہماری کتابیں اس ملک میں پھیل جائیں اور ہر ایک متلاشی حق کے ہاتھ میں وہ کتابیں نظر آویں۔'' (صفحہ 27)

کُتب مسیح موعود علیہ السلام کو موزوں لوگوں تک مفت پہنچانے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا

''بلاشبہ یہ بات سچ اور بالکل سچ ہے کہ جس طرح ہم مثلاً ایک لاکھ کتاب کو مفت تقسیم کرنے کی حالت میں بیس روز میں وہ سب کتابیں دور دور ملکوں میں پہنچا سکتے ہیں اور عام طور پر ایک فرقہ میں اور ہر جگہ پھیلا سکتے ہیں اور ہر ایک حق کے طالب اور راستی کے متلاشی کو دے سکتے ہیں ایسی اور اس طرح کی اعلیٰ درجہ کی کاروائی قیمت پر دینے کی حالت میں شاید بیس برس کی مدت تک بھی ہم نہیں کر سکیں گے۔'' (صفحہ 27)

الٰہی کارخانہ کی پانچوں شاخوں کو کامیابی کیساتھ چلانے کیلئے ماہواری چندہ کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا

''وہ لوگ جو کامل استطاعت نہیں رکھتے وہ بھی اس طور پر اس کارخانہ کی مدد کر سکتے ہیں جو اپنی اپنی طاقت مال کے موافق ماہواری امداد کے طور پر عہد پختہ کیساتھ کچھ کچھ رقوم نذر اس کارخانہ کی کیا کریں۔'' پھر فرمایا ''جو شخص اپنی حیثیت کے مطابق کچھ ماہواری دینا چاہتا ہے وہ اس کو حق واجب اور دین لازم کیطرح سمجھ کر خود بخود ماہوار اپنی فکر سے ادا کرے اور اس فریضہ کو خالصۃً للہ نذر مقرر کر کے اس کے ادا میں تخلف یا سہل انگاری کو روا نہ رکھے۔'' (صفحہ 33)

پھر فرمایا ''یاد رہے کہ اصل مدعا جس پر اس سلسلہ کہ بلا انقطاع چلنے کی اُمید ہے وہ یہی انتظام ہے کہ سچے خیر خواہ دین کے اپنی بضاعت اور اپنی بساط کے لحاظ سے ایسی سہل رقمیں ماہواری کے طور پر ادا کرنا اپنے نفس پر ایک حتمی وعدہ ٹھہرالیں جن

کو بشرطیکہ نہ پیش آنے کسی اتفاقی مانع کیا آسانی ادا کر سکیں۔'' (صفحہ 33)

اشاعت اسلام کیلئے غیر معمولی مالی قربانی کرنے والوں میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن مخلص صحابہ کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے ان میں حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ۔ حضرت حکیم فضل دین بھیرویؓ۔ حضرت شیخ محمد حسین صاحبؓ مرادآبادی اور میرزا عظیم بیگ صاحبؓ مرحوم شامل ہیں۔ حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ کا ذکر کرتے ہوئے عظیم الشان الفاظ میں فرمایا

''سب سے پہلے میں اپنے ایک روحانی بھائی کا ذکر کرنے کیلئے دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام ان کے نور اخلاص کیطرح نور دین ہے۔ اور میں انکی بعض دینی خدمتوں کو جو اپنے مالِ حلال کے خرچ سے اعلاء کلمہ اسلام کیلئے وہ کر رہے ہیں ہمیشہ حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہو سکیں۔''
(صفحہ 35)

سچی دینی تعلیم سے محروم رہ کر جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

''جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہنوز وہ اپنے علومِ ضروریہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ اور مستغنی ہو چکتے ہیں۔'' (صفحہ 4)

اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا

''مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں (صفحہ 11 حاشیہ) خنزیروں کے قتل کرنے سے مُراد خنزیر صفت لوگوں کو دلائل بینہ کی تلوار سے قتل کرنا ہے۔ (توضیح مرام۔ روحانی خزائن۔ جلد 3۔ صفحہ 57)

ایشیا یورپ اور امریکہ کے متعلق پیشگوئی

ایشیا یورپ اور امریکہ میں جماعت کے پھیلنے کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا

'' وہ وقت دور نہیں بلکہ بہت قریب ہے کہ جب تم فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اترتی اور ایشیا اور یورپ اور امریکہ کے دلوں پر نازل ہوتی دیکھو گے۔ یہ تم قران شریف سے معلوم کر چکے ہو کہ خلیفۃ اللہ کے نزول کیساتھ فرشتوں کا نازل ہونا ضروری ہے تاکہ دلوں کو حق کیطرف پھیریں۔ سو تم اس نشان کے منتظر رہو۔ اگر فرشتوں کا نزول نہ ہوا اور انکے اترنے کی نمایاں تاثیریں تم نے دنیا میں نہ دیکھیں اور حق کیطرف دلوں میں جنبش کو معمولی سے زیادہ نہ پایا تو تم یہ سمجھنا کہ آسمان سے کوئی نازل نہیں ہوا لیکن اگر یہ سب باتیں ظہور میں آ گئیں تو تم انکار سے باز آؤ تا تم خُدا تعالیٰ کے نزدیک سرکش قوم نہ ٹھہرو۔'' (صفحہ 13 حاشیہ)

الحمدللہ آج ہم ان سب پیشگوئیوں کو پورا ہوتے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ جس مسیح موعود اور امام مہدی کی پیشگوئی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے فرمائی تھی وہ آ گیا ہے اور ہم نے اُسے قبول کر لیا ہے اور ہم اشاعت اسلام کیلئے خلافت احمدیہ کے طابع رہ کر دنیا کے ہر ملک میں اسلام احمدیت کے جھنڈے کو بلند سے بلند تر کرنے کیلئے ہر قربانی پیش کرتے چلے جائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ اے اللہ تُو ہمیں اسکی توفیق عطا فرماتا رہ آمین۔

بنک کا سود

ایک صاحب کا ایک خط حضرتؑ کی خدمت میں پہنچا کہ جب بنکوں کے سود کے متعلق حضورؑ نے اجازت دی ہے کہ موجودہ زمانہ اور اسلام کے حالات کو مد نظر رکھ کر اضطرار کا اعتبار کیا جائے سو اضطرار کا اصول چونکہ وسعت پذیر ہے اس لئے ذاتی، قومی، ملکی، تجارتی وغیرہ اضطرارات بھی پیدا ہو کر سود کا لین دین جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا:

''اس طرح سے لوگ حرام خوری کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کہ جو جی چاہے کرتے پھریں۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ بنک کا سود بسبب اضطرار کے کسی انسان کو لینا اور کھانا جائز ہے۔ بلکہ اشاعت اسلام میں اور دینی ضروریات میں اس کا خرچ جائز ہونا بتلایا گیا ہے۔ وہ بھی اس وقت تک کہ امدادِ دین کے واسطے روپیہ مل نہیں سکتا اور دین غریب ہو رہا ہے کیونکہ کوئی شئے خدا تعالیٰ کے واسطے تو حرام نہیں۔ باقی رہی اپنی ذاتی اور ملکی اور قومی اور تجارتی ضروریات۔ سوان کے واسطے اور ایسی باتوں کے واسطے سود بالکل حرام ہے۔ وہ جواز جو ہم نے بتلایا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ مثلاً کسی جاندار کو آگ میں جلانا شرعاً منع ہے۔ لیکن ایک مسلمان کے واسطے جائز ہے کہ اس زمانہ میں اگر کہیں جنگ پیش آوے تو توپ بندوق کا استعمال کرے کیونکہ دشمن بھی اس کا استعمال کر رہا ہے۔ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 436)